ماہنامہ

قلندر شعور

دسمبر ۲۰۱۹ء

سکون زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے
اور روح کے عرفان کے بغیر سکون نہیں ملتا

آدمی اور انسان

گارے، بجتی مٹی کی تخلیق

احسن تقویم

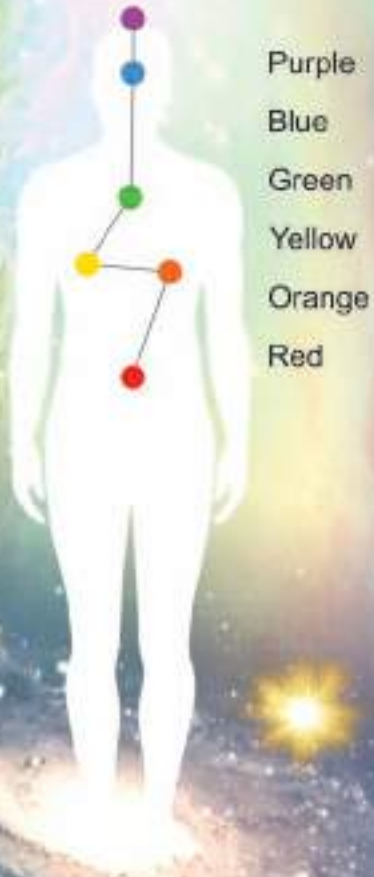

جلد 7 شمارہ 11 | دسمبر 2019ء | ربیع الثانی ـ جمادی الاوّل 1441ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ

قلندر شعور

کراچی

Neutral Thinking

(اردو ـ انگریزی)

سرپرست اعلیٰ

حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

چیف ایڈیٹر

خواجہ شمس الدین عظیمی

ایڈیٹر

حکیم سلام عارف

سرکولیشن منیجر

محمد ایاز

باا ہتمام عظیمی یونیورسٹی پریس ـ پبلشر شاہ عالم عظیمی نے ابن حسن آفسیٹ پرنٹنگ پریس، ہاکی اسٹیڈیم، کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

فی شمارہ 80 روپے..... سالانہ ہدیہ 1080 روپے رجسٹرڈ ڈاک کے ساتھ، بیرونِ پاکستان 70 امریکی ڈالر سالانہ

B-54، عظیمی محلّہ، سیکٹر C-4 سرجانی ٹاؤن کراچی، پاکستان۔ فون نمبر: 6912020 (0)213 92+

۳۵ مضامین کا گُل دان

حمد باری تعالیٰ	شہزاؔد مجددی	10
نعت رسول مقبول ﷺ	حفیظ تائبؔ	11
رباعیات	ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ	12
آج کی بات	مدیر مسئول	14
فقیر کی ڈاک	ادارہ	19
نامے میرے نام	خانوادہ سلسلہ عظیمیہ	22
ایک وقت آواز ریزہ ریزہ ہوجائے گی	(M.A-Fine Arts) حامد ابراہیم	27
37 ہزار 797 فٹ	ادارہ	33
پیرا سائیکالوجی سے مسائل کا حل	خواجہ شمس الدین عظیمی	41
سمندر کی طرح کھلا ذہن	گلِ نسرین	45
تو ہے محیط بیکراں میں ہوں ذرا سی آب جُو	(B.SE-Software Engr.) محمد عاصم بیگ	51
اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے	عثمان طاہر	57
اللہ کی رسی	گلستان احمد	61
خمیر پھولتا اور سمٹتا ہے	ڈاکٹر نعیم ظفر UAE (Ph.D.)	67
مجھ میں کمال یہ ہے کہ تصویر بول اٹھے	حماد علی شاہ	75
سورج عورت ہے ؟	سرکار زینی جارچوی	81

زمانے کے انداز بدل گئے ــــــ خان بہادر 85

انار کے پھولوں کی رانی ــــــ شیخ افتخار 91

زادِ راہ ــــــ نفیسہ شاکر 97

اقتباسات ــــــ قارئین 102

سلیکان ــــــ نیّر اعظم 103

بیٹا! ایک دو دن آرام کرنا ــــــ ملک محمد ناصر 109

پورب کے ہم زاد ــــــ (M.Sc-Applied Physics) محمد عدنان خان 115

ستمبر 2019ء کے سرورق کی تشریح ــــــ قارئین 121

اللہ میاں کے باغ کے پھول ــــــ

اولی الالباب بچے ــــــ ادارہ 124

دھوپ گھڑی ــــــ (M.A-Mass Comm.) سارہ خان 126

چالیس چور ـــ چالیس راتیں ــــــ آمنہ حیات 129

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر ــــــ خواجہ شمس الدین عظیمی 135

145 Dr. Naeem Zafar (Ph.D.) ــــــ What Do We See?

150 Zainab Qureshi ــــــ Water is Life — Life is Water

154 Extracted ــــــ Prophet Jesus (PBUH)

158 Roshan Sitara ــــــ The Gold Bread

162 Sarah Khan ــــــ Communication Gap

168 Quratul Ain Wasti ــــــ Come to the Truth

172 K. S. Azeemi ــــــ Message of the Day

شہزاد مجددی

حمد باری تعالیٰ

وہ صاحب کُن، مالک کل، خالق انوار
وہ قادر مطلق ہے ہر اک چیز کا مختار
رحمٰن و رحیم اور ہے سبحان و صمد بھی
قہار ہے جبار ہے ستار ہے غفار
پروان چڑھاتا ہے وہ دانے کو زمیں میں
اور اس کو بناتا ہے وہی نخل ثمر بار
تسبیح میں مشغول ہیں اس کی مہ و ماہی
الحمد کا قائل ہے وہی حمد کا حق دار
ہر عکس ہے آئینۂ اوصاف مصور
یہ ارض و فلک صنعت باری کا ہیں شہکار
خلاق دو عالم کی تجلی کا ہیں پرتو
مچھلی ہو سمندر میں کہ ہو مہر ضیا بار
ہے معجزۂ حسن ہر اک منظر فطرت
تفسیر ہیں جنت کی چمن، چشمہ و کہسار
آباد ہر اک دشت میں حیرت کا جہاں ہے
اسرار و معارف کا دبستاں ہے چمن زار
اک واسطہ ہے بندہ و معبود کے مابین
وہ باعث کُن منبع و سر چشمۂ انوار
ہیں نغمہ گر حمد و ثنا بحر کی موجیں
اور وجد کے عالم میں گل و غنچہ و اشجار
معراج ہے شہزاد یہی میرے ہنر کی
ہوں واصف خلاق جہاں، ناعت سرکارؐ

حفیظ تائبؔ

نعت رسول مقبول ﷺ

اک کیف، اک سرور ہے ذکرِ حضورؐ میں
حاصل عجب حضور ہے ذکر حضورؐ میں

الفاظ ساتھ دینے سے قاصر ہیں، گنگ ہیں
جذبات کا وفور ہے ذکرِ حضورؐ میں

قرآن رہ نما ہے تو سیرت ہے دست گیر
عاجز اگر شعور ہے ذکرِ حضورؐ میں

فکرِ حضورؐ موجب راحت مرے لئے
ہر رنج دل سے دور ہے ذکرِ حضورؐ میں

خوش بوئے جاں فزا سے ہے معمور بزمِ زیست
سر پر ردائے نور ہے ذکرِ حضورؐ میں

تائبؔ یہ ذکرِ خیر ہے سرمایۂ حیات
ہر خیر کا ظہور ہے ذکرِ حضورؐ میں

اک کیف، اک سرور ہے ذکرِ حضورؐ میں
حاصل عجب حضور ہے ذکرِ حضورؐ میں

رفتارِ زمین

اہرام فراعین کا مدفن ہیں آج
سیاحوں سے تحسین کا لیتے ہیں خراج
رفتارِ زمین کی ٹھوکریں کھا کھا کر
مل جائے گا کل تک ان کا مٹی میں مزاج

’’اب تو ہم صرف تیری لاش کو بچائیں گے تاکہ تو بعد کی نسلوں کے لئے نشان عبرت بنے۔
اگرچہ بہت سے انسان ایسے ہیں جو ہماری نشانیوں سے غفلت برتتے ہیں۔‘‘ (یونس: ۹۲)

نوع انسانی کی بڑی اکثریت شداد، نمرود اور فراعین کی تاریخ سے واقف ہے۔ سوچنا یہ ہے کہ شداد کی جنت اور نمرود کی ایجادات کہاں ہیں؟ فراعین مصر کے اہرام ابھی تک نوحہ کناں ہیں کہ ہمارے خداؤں کی میوزیم میں جگہ جگہ ٹکٹ لگا کر تذلیل کی جارہی ہے۔ بادشاہ نہیں ہوئے تماشا بن گئے۔

سکندر و دارا، شداد و نمرود، فراعین اور بڑے بڑے بادشاہ جن کی ہیبت و بربریت کا یہ عالم تھا کہ لوگ ان کے نام سے لرزتے تھے، جو بڑی بڑی ریاستوں اور مملکتوں کے تاجدار تھے، عوام سے خراج وصول کرتے تھے، خود کو آقا اور اللہ کی مخلوق کو غلام سمجھتے تھے معلوم نہیں کہ وہ خود اور ان کے تاج کہاں ہیں ــــ؟ ان کو اور ان کی افواج کو جو آندھی طوفان بن کر دنیا کے لئے مصیبت بن گئی تھیں، مٹی نے نگل لیا۔ یہ بڑے بڑے محلات اور کھنڈرات جو آج ان پر آنسو بہا رہے ہیں بالآخران کا نام ونشان بھی صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا۔

لاہور (پاکستان) میں اللہ کے دوست حضرت داتا گنج بخشؒ کا مبارک مزار اللہ کی مخلوق کے لئے روشن زندگی ہے۔ داتا صاحبؒ کے دستر خوان سے کئی ہزار خواتین و مرد، صاحبِ استطاعت، نادار اور غریب غربا تین وقت کھانا کھاتے ہیں۔ اللہ کے دوست داتا گنج بخشؒ کے کریمانہ دستر خوان سے بلاتخصیص مذہب وملت افراد کھانا کھاتے ہیں۔ اس سخی داتاؒ کے دستر خوان پر پلاؤ، قورمہ، زردہ، بریانی، دال روٹی، چپاتی سب کچھ موجود ہوتا ہے۔ اللہ کے دوست، رسول اللہؐ کے امتی، مخلوق کے ہمدرد ــــ داتا صاحبؒ کے روضۂ اقدس سے کچھ فاصلے پر ہندوستان کے بادشاہ جہانگیر کا مقبرہ ہے۔ زینت و زیبائش قابل دید ہے لیکن وہاں لوگ تفریح طبع کے لئے جاتے ہیں اور وہ کچھ ہوتا ہے جس کو دیکھ کر کھلی آنکھیں بند کرنا اچھا لگتا ہے۔

آج کی بات

لاشمار دنیائیں ہیں۔کوئی دنیا ظاہر ہے اور کوئی چھپی ہوئی ہے۔مخلوق ان دنیاؤں میں ہر وقت سفر کرتی رہتی ہے۔ حالات و واقعات، حوادث و آفات، خوشی و غم، حزن و ملال، رونا ہنسنا، خوش ہونا، غمگین ہونا، دل لگنا اور بیزار ہونا، سونا جاگنا، جاگنے اور سونے کے زمانے میں عمل کرنا، پاکیزہ رہنے کے لئے غسل کرنا اور دوسری دنیا میں بھی پاکیزہ ہونے کے لئے خود کو اچھی طرح دھونا اور اپنے اوپر پانی بہانا۔ غافل ہونا لیکن غفلت میں کئے گئے اعمال کے پورے پورے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

اس نظام کی ہر شے اور ہر مخلوق پابند ہے۔نظام قدرت کو سمجھنے کے لئے اللہ رب العالمین نے کتابیں نازل فرمائیں اور زمین کے ہر خطے میں اپنے رسول بھیجے۔

کائنات میں جو چیز ظاہر ہوتی ہے بالآخر چھپ جاتی ہے اور جو غیب ہوتا ہے وہ ظاہر ہوتا رہتا ہے۔غیب و شہود کی طویل زندگی کا بیان اللہ کی نازل کردہ آخری کتاب قرآن کریم میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔رب العالمین اللہ فرماتے ہیں کہ ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات ہم نے وضاحت کے ساتھ بیان کردی ہے۔

''اس سے ذرّہ برابر کوئی چیز نہ آسمانوں میں چھپی ہوئی ہے نہ زمین میں۔ نہ ذرّے سے بڑی اور نہ اس سے چھوٹی۔سب کچھ کتاب مبین میں درج ہے۔'' (سبا: ۳)

••——••

ایک ذات کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں جانتا کہ رات دن کی دنیا کب بنی ــــ؟ رات اور دن میں فرق ہے یا دونوں ایک ہیں ــــ؟ یہ بھی علم نہیں ہے کہ ہم پیدا ہونے سے پہلے کہاں

تھے ـــــ ؟ اور جب ظاہر ہوئے تو بڑوں سے سنا کہ جہاں ہم پیدا ہوئے اس مقام کا نام دنیا ہے اوراس مقام میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ ایک فلم ہے جو دنیا کی اسکرین پر نشر ہو رہی ہے۔

جب ہم دن کو دن کہتے ہیں تو ایک رخ کو بیان کرتے ہیں اور جب رات کو رات کہتے ہیں تو دوسرے رخ کو بیان کرتے ہیں۔اس کی مثال کتاب کا ورق ہے۔ورق کے دو وجود ہیں جس کو صفحہ کہتے ہیں۔ورق پر لکھی ہوئی تحریر ہے لیکن ورق کے دوسری طرف بھی تحریر لکھی ہوئی ہے۔قرآن کریم میں ہے کہ ہر عمل کے دو رخ ہیں۔ ورق کے پہلے صفحے پر لکھی ہوئی تحریر پیغمبروں کے ذریعے خالق کائنات کی طرف سے ہدایت ہے۔اور ورق کے دوسرے صفحے پر لکھی ہوئی تحریر پہلے صفحے پر لکھی ہوئی تحریر کے برعکس نافرمانی ـــ اللہ کی ناپسندیدہ تحریر ہے۔

• • ——————— • •

کوئی بھوکے آدمی کو کھانا کھلاتا ہے لیکن کھانا کھلانے میں احسان شامل ہوتا ہے۔اور جب اس شخص سے جس کو کھانا کھلایا تھا کوئی کام کوئی واسطہ پڑتا ہے اور وہ توقعات پر پورا نہیں اترتا تو کھانا کھلانے والا سوچتا ہے کہ جب یہ بھوکا تھا میں نے اس کی مدد کی مگر یہ احسان فراموش ہے۔ یہ طرزِ فکر قانون قدرت کے منافی ہے۔

سوال یہ ہے کہ آپ نے کسی کو کھانا کھلایا، وہ کھانا آپ کو کس نے دیا ـــ؟ زمین پر کھیت کھلیان کس نے اگائے ـــ؟ فصل پکنے کے لئے سورج کس نے نکالا ـــ؟ پھلوں میں ذائقے کے لئے چاند کی کرنوں کا عمل دخل کس نے کیا ـــ؟ زمین لرز رہی تھی، پہاڑوں کو میخیں کس نے بنایا ـــ؟ اور شکمِ زمین جس نے کسی بھی شے کا بیج محفوظ کرکے اس کو پروان چڑھایا اور اپنے اندر چھپی ہوئی شے کو ظاہر کر دیا، اس زمین کو فرش کس نے بنایا ـــ؟

کسی کو کھانا کھلا دیا تو سوچنا یہ ہے کہ مجھے کس نے کھانا کھلایا۔ کھانے کے لوازمات پانی، ہوا، گیسیں، دھوپ، چاندنی اور تمام وسائل جو کھیتی باڑی کے کام آتے ہیں، زمین کی

کوکھ جس میں زمین نے اس دانے کو حرارت و برودت فراہم کر کے زمین پر ظاہر کیا، چاند کی چاندنی نے مٹھاس پیدا کی۔ سورج کی گرم و سرد شعاعوں نے کچی شے کو پکانے کا عمل کیا۔ ان تمام صفات میں کیا مخلوق کا کوئی عمل دخل ہے ــــ؟ جب کہ نہیں ہے۔

خالق و مالک اللہ نے مخلوق کو متوجہ کیا ہے کہ

''کبھی تم نے غور کیا یہ نطفہ جو تم ڈالتے ہو اس سے بچہ تم بناتے ہو یا اس کے بنانے والے ہم ہیں؟ کبھی تم نے سوچا یہ بیج جو تم بوتے ہو ان سے کھیتیاں تم اگاتے ہو یا ان کے اگانے والے ہم ہیں؟ ہم چاہیں تو ان کھیتوں کو بھس بنا کر رکھ دیں۔ کبھی تم نے دیکھا یہ پانی جو تم پیتے ہو اسے تم نے بادل سے برسایا ہے یا اس کے برسانے والے ہم ہیں؟ پانی میں مدوجزر ہوتا ہے۔ مدوجزر میں جب پانی پانی سے ٹکراتا ہے تو 20 فٹ سے زیادہ اونچی لہریں اٹھتی ہیں۔ ہوائیں ان لہروں کو اس زون میں لے جاتی ہیں جہاں برودت ہے۔ پانی بادلوں کی شکل اختیار کر کے زمین پر باران رحمت بنتا ہے۔ اللہ چاہے تو اس پانی کو طوفان بنا دے۔ پھر کیوں تم شکر گزار نہیں ہوتے؟ کبھی تم نے خیال کیا کہ یہ آگ جو تم سلگاتے ہو، اس کا سورس تم نے پیدا کیا ہے یا اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں؟ پھر اپنے رب کی نعمتوں پر غور کیوں نہیں کرتے؟''

اس فقیر نے جو کچھ لکھا آپ سوچئے اگر دماغ کی اسکرین پر لفظوں سے بنی ہوئی فلم نشر نہ ہوتی تو کیا یہ تحریر لکھی جا سکتی تھی ــــ؟ تحریر نہ لکھی جاتی تو کیا آپ پڑھ سکتے تھے ــــ؟ حافظے کے خلیات بے جان ہوتے تو کیا لفظ یاد رہ سکتے ہیں ــــ؟ اگر تمام عناصر موجود ہوں لیکن ذہن کام نہ کرے تو کیا ہم مضمون کا مفہوم اخذ کر سکتے ہیں ــــ؟ نہیں نہیں نہیں!

• • ——————— • •

مخلص و محبّ بزرگو اور دوستو! جو کچھ حالات نے لکھوایا فقیر نے لکھا۔ آپ اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ اس مضمون میں مخفی حقائق بیان کئے جائیں تو صفحات کم پڑ جائیں۔ سمجھنا یہ ہے کہ خالق کائنات اللہ نے کروڑوں دنیائیں بنائیں۔ بتایا جاتا ہے کہ چاند کی روپہلی کرنیں سورج کی

شعاعوں کا عکس ہیں اور شعاعیں کرن کا روپ دھار کر گرم روشنی کو ٹھنڈا کر دیتی ہیں اور بے شمار فوائد پھلوں میں پیدا کر دیتی ہیں۔ اس مضمون کو تفکر سے پڑھا جائے تو انشاء اللہ نئے نئے نکات سامنے آئیں گے۔ غور کیجئے، سمجھئے۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ تفکر کی دعوت دی گئی ہے۔

تعقلون، تعلمون، یعلمون، تذکروں، تفکرون، یبصرون، تبصرون، یا اولی الالباب،

فھل من مدکر، فبای آلاء ربکما تکذبان، لولو والمرجان، کل یوم ھو فی شان۔

مرشد کریم ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ نے تعلیم کے دوران مجھ عاجز بندے کو بتایا کہ اللہ رب العالمین کی نازل کردہ کتاب قرآن کریم تین عنوانات پر مشتمل ہے۔

۱۔ تاریخ ۲۔ معاش و معاشرت ۳۔ علیین سجین

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ آپ کیا سمجھے، علیین اور سجین کیا ہے۔ اس کتاب کو اللہ کے مقرب بندے دیکھتے ہیں اور شہادت فراہم کرتے ہیں۔

• • ——————— • •

سوال یہ ہے کہ کائنات کیا ہے؟ اللہ کی تخلیق کردہ کائنات مقربین کے علاوہ جس حد تک بھی ہم دیکھتے ہیں، وہ آسمانی دنیا ہو، زمینی دنیا ہو، خلائی دنیا ہو، ہر ذی شعور آدمی کم از کم اس کا ادراک رکھتا ہے۔ تاریکی میں آپ آسمان کے نیچے سو رہے ہیں، آنکھ کھل جاتی ہے۔ جیسے ہی آسمان کی طرف نظر اٹھتی ہے وہاں روشن ستارے جھلمل کرتے نظر آتے ہیں۔ ستاروں کی جھلملاہٹ، نور کی کشش اور جھلمل کرتے ستاروں کے ہجوم میں ذہن یکسو ہو جاتا ہے۔ اس طرح کہ ایک خیال میں بے خیال ہو جاتا ہے۔ جب ستاروں کی جھلمل کرتی بارات کے امتزاج کو دیکھ کر ذہن خالق کائنات اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو شعور لاشعور کے تابع ہو جاتا ہے۔ جن خواتین و حضرات نے ستاروں کی بارات کا یہ منظر دیکھا ہے ان کے دل کی دنیا زیروزبر ہو جاتی ہے۔

ہم گوشت پوست کے جسم (matter) کی حرکات و سکنات کو کائنات سمجھتے ہیں۔

مشاہدہ ہے کہ حرکات وسکنات گوشت پوست کے جسم کے تابع نہیں ہیں۔

ــــ حرکت کا سورس کیا ہے ــــ؟ زمین کے اوپر چلتی پھرتی دنیا کو اگر زندگی کہا جائے تو زمین کے اندر منوں مٹی کے نیچے ہم جو گھر بناتے ہیں وہاں جا کر کیا یہ جسم نظر آتا ہے؟ مٹی کا بنا ہوا جسم مٹی کے ذرّات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اللہ کے چاہنے والے بندے جن کو اللہ نے اپنا دوست کہا ہے وہ اس رونق کو دیکھتے ہیں۔

''ہم نے آسمان میں بروج بنائے اور دیکھنے والوں کے لئے اسے زینت بنایا اور شیطان مردود سے اسے محفوظ کر دیا۔'' (الحجر:۱۶-۱۷)

محترم قارئین! یہ تحریر بار بار پڑھئے ــــ اللہ کے دوستوں کو خوف اور غم نہیں ہوتا۔

میں دو جملے اور لکھنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ آپ میرے ذی احترام، مکرم ومحترم بزرگ ہیں، نوجوان ہیں، صاحب عقل وفہم ہیں۔ اللہ نے جو ذہن عطا فرمایا ہے اس کو استعمال کر کے بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کرتے ہیں۔ کیا ہمیں سوچنا نہیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

''اللہ کے دوستوں کو خوف وغم نہیں ہوتا۔''

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بندے کے اندر عاجزی، خوف وغم، نسیان اور خطا کا ریکارڈ جو اس کا اپنا ریکارڈ ہے پڑھنے میں آجاتا ہے۔ رات کو سونے سے پہلے تاریکی میں ہر خیال سے بے خیال ہو کر ایک خیال میں ہمیں یہ سوچنا ہے کہ کیا ہم حزن و ملال، خوف وغم کی چادر اوڑھے ہوئے نہیں ہیں ــــ؟

اللہ حافظ

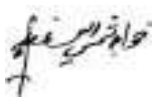

★ محترم قارئین! غور کیجئے اور بتائیے جو کچھ آپ نے اس مضمون میں پڑھا ہے اس میں قرآن کریم کی کتنی آیات کا خلاصہ بیان ہوا ہے ــــ؟ (ادارہ)

فقیر کی ڈاک

تفکر — ذہن کی دنیا میں داخل ہونے کا راستہ ہے۔ غور وفکر سے خیال کی گہرائیاں روشن ہوتی ہیں۔ گہرائی میں تخلیقی رموز کے خزینے ہیں جن تک رسائی — عرفان نفس اور معرفت الٰہی ہے۔ ''فقیر کی ڈاک'' اذہان کی آبیاری ہے جس میں مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب ذہن کی پرتوں کو کھول کر لاشعور کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جناب عظیمی صاحب — السلام علیکم،

یہ میرا پہلا خط ہے۔ میں پاکستان سے باہر مقیم ہوں۔ پندرہ سال قبل میرے شوہر یہاں آئے اور پانچ سال کے بعد مجھے اور بچوں کو بلوالیا۔ بدقسمتی دیکھئے کہ یہاں آنے کے کچھ عرصے بعد شوہر کا انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ بچوں کے مستقبل کی خاطر یہاں رک گئی۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اچھے لوگوں کا ساتھ ملا۔ بچوں کی تعلیم پوری ہوئی اور الحمدللہ وہ اپنی زندگی میں مصروف ہیں، انہیں اب میری زیادہ ضرورت نہیں۔

میں ملازمت کرتی ہوں اور اللہ نے مجھے توفیق دی ہے کہ میں رضا کارانہ طور پر مخلوق کی خدمت کرتی ہوں لیکن مصروفیت کے باوجود تنہائی محسوس ہوتی ہے۔

چھ سال پہلے میری ایک نیک شخص سے ملاقات ہوئی۔ وہ عاجزی، دھیما پن، اللہ سے محبت اور خدمت خلق کے جذبے سے سرشار ہیں۔ ان کی اہلیہ کا انتقال ہوگیا ہے۔ ہماری طبیعت اور مزاج ایک ہے لہٰذا مشترکہ دوستوں نے ہمیں شادی کا مشورہ دیا۔ وہ اہلیہ کے انتقال کی وجہ سے ذہنی طور پر تیار نہیں تھے۔

انہوں نے مجھ سے یہ کہہ کر رابطہ ختم کردیا کہ وہ تصوف میں کسی مقام پر پہنچنا چاہتے ہیں۔

میں نے پانچ سال انتظار کیا کہ وہ کب واپس آئیں گے۔ چھ ماہ پہلے دوبارہ رابطہ ہوا۔ اہلیہ کے غم سے وہ نکل آئے تھے۔ ہم نے کم سے کم رابطہ رکھا اور شرعی حدود میں رہ کر بات کی۔

ان صاحب نے ایک روز بتایا کہ انہوں نے اپنے استاد سے شادی کے بارے میں مشورہ کیا۔

استاد نے ان کے پورے حالات سن کر فرمایا — فی الوقت شادی کرنا مناسب نہیں ہے۔ شادی حضور پاکؐ کی

سنت ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی راہیں آسان کرے۔

وہ کہتے ہیں کہ اب وہ طریقت کی راہ کے مسافر ہیں۔ ہمیں حالات کو قبول کرنا چاہئے۔

مجھے سمجھ میں نہیں آیا کہ میں اس مقصد میں کس طرح رکاوٹ ہوں۔ میں ہر قدم پر ان کا ساتھ دینا چاہتی ہوں۔

کاش اتنی محبت میں نے اللہ سے کی ہوتی!

جب سے یہ خبر ملی ہے، دل بہت تکلیف میں ہے۔ اٹھتے بیٹھتے آنسو رکنے کا نام نہیں لیتے۔

ہم کتنی تکلیف میں کیوں نہ ہوں، خود پر ضبط کر کے سارے کام کرنا پڑتے ہیں۔

دعا کریں کہ دل کو سکون ملے، ایسا لگتا ہے پھٹ جائے گا۔ ملازمت پر آتے جاتے سارا راستہ تسبیح پڑھتی ہوں، اللہ سے صبر اور راضی بہ رضا رہنے کی دعا مانگتی ہوں۔ مگر آنسو ہیں کہ رکنے کا نام نہیں لیتے اور نہ دل کو سکون ملتا ہے۔ دعا کی درخواست ہے۔

شکریہ، بنت حوا

بہت عزیز، نیک دل خاتون، پیاری بیٹی،

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ!

روحانیت کا پہلا سبق یہ ہے کہ گوشت پوست کا جسم اور تمام جذبات و احساسات یعنی دنیا کے تمام معاملات الوژن ہیں۔ تصوف میں وقت وہ پروگرام ہے جس پر خالق کائنات اللہ تعالیٰ نے تخلیقی نظام بنایا ہے۔

حضور پاکؐ کا فرمان ہے، لی مع اللہ وقت ترجمہ: وقت میں میرا اور اللہ کا ساتھ ہے۔

اس راز کو سمجھئے ــــ ایک دور بچپن کا ہوتا ہے، دوسرا دور لڑکپن کا ہے، تیسرا دور جوانی کا ہے، چوتھا دور انحطاط کا ہے اور پانچواں دور بڑھاپے کا ہوتا ہے لیکن یہ عبوری دور کہاں بنے ــــ؟ کس طرح عمل پذیر ہیں اور اس عارضی پروگرام کے بعد کہاں غائب ہو جاتے ہیں ــــ؟ اس کا علم ہمیں نہیں ہے لیکن صوفی ازم میں وقت base (بنیاد) ہے۔

نہیں معلوم پیدائش سے پہلے ہم کہاں تھے۔ یہ بھی علم نہیں کہ اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد کہاں چلے جاتے ہیں۔ آدمی جب دنیا میں ظاہر ہوتا ہے تو جوانی تک ایک دور ہے۔ وہ دور گزرتا ہے تو بلوغت کا زمانہ آجاتا ہے۔ بلوغت کی اپنی صفات، ضروریات، تقاضے، برداشت، عدم برداشت، اچھائی اور برائی بھی خفیف و ناتواں ہو کر جس غیب سے ظاہر ہوتی ہے اسی غیب میں چھپ جاتی ہے۔

الحمدللہ! آپ کا خط پڑھ کر مجھ فقیر کو ادراک ہوا کہ آپ کے اندر تخلیقی صلاحیت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ جہاں تک مسئلے کا تعلق ہے تو یہ زندگی میں ایک تقاضا ہے اور اس تقاضے میں پوری زندگی کے نشیب و فراز کامیابی، ناکامی، اظہار اطمینان اور بے سکونی سب لوازمات ہیں۔ آپ کے اندر ہمدردی اور تحفظ کے جذبات اللہ کی طرف سے اور رسول اللہؐ کی نسبت سے احسن صلاحیت کی نشان دہی ہے۔

شادی حضور پاکؐ کی سنت ہے۔ اس کو کون منع کرسکتا ہے، حالات جیسے ہی مناسب ہوں شادی کر لینی چاہئے۔

نہایت عزیز بیٹی! آپ خود وہ راستہ اختیار کریں جس راستے پر وہ صاحب چل رہے ہیں اور روحانی مکتبہ فکر سے منسلک ہوکر روحانی علوم کی افہام و تفہیم کا سلسلہ شروع کریں۔ انشاء اللہ راستے کھلیں گے۔ اللہ تعالیٰ ستّر ماؤں سے زیادہ محبت کرتا ہے۔

الحمدللہ آپ نیک بخت ہیں۔ آپ کے اندر روحانی علوم جاننے کی صلاحیت موجود ہے بس آبیاری کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے، کثرت سے وضو بے وضو ''یا حیی یا قیوم'' کا ورد کریں۔

رات کو سونے سے پہلے سفید لباس پہن کر 101 مرتبہ درود خضری پڑھیں۔

سیرت طیبہؐ کا فہم و فراست کے ساتھ مطالعہ کریں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے اور آپ کی دعاؤں کو قبول فرمائے، آمین۔

دعاگو، عظیمی (15 اکتوبر، 2019ء)

صبر اللہ تعالیٰ کا نور ہے جو مادی حواس میں نورانیت داخل کر کے انسان کو اللہ تعالیٰ سے قریب کر دیتا ہے۔ صبر کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اپنی تدابیر اور کوششوں کا نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے۔ اپنے ارادے کی نفی کر کے اللہ تعالیٰ کو قادر مطلق جان لے اور اپنے کاموں میں تاخیر اور ناکامی پر اللہ تعالیٰ کے ارادے اور فیصلے کا انتظار کرے۔ قدرت کی جانب سے جو حاصل ہو اس پر راضی رہے۔ صبر فرماں برداری کا سسٹم ہے۔ صابر انسان پریشانی میں بھی مطمئن رہتا ہے اور اس کا ذہن اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ رہتا ہے۔ صبر کرنے سے آدمی بے بس اور مجبور ہونے کا تجربہ کر لیتا ہے۔ صبر کرنے سے آدمی کے اندر نور کی مقداروں میں بے بہا اضافہ ہوتا ہے۔ جب بندہ صبر کرنے کا خوگر ہو جاتا ہے تو اس کے لئے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اولوالعزم کہا ہے۔ (کتاب: وقت)

نامے میرے نام

کرم فرما خواتین وحضرات نے ''ماہنامہ قلندر شعور'' کو دل کی گہرائیوں سے نہ صرف پسند کیا ہے بلکہ قبول فرما کر روپ بہروپ کو دلہن کا روپ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قارئین کی خدمت کی توفیق دیں۔ رابطہ کے قدیم وجدید وسائل کے ذریعہ موصول ہونے والے خطوط میں سے منتخب خطوط شائع کئے جارہے ہیں۔

☆ اکتوبر 2019ء کے شمارے میں ''باادب بانصیب، بےادب بےنصیب'' مختلف زبانوں میں شائع ہوا۔ قارئین خواتین وحضرات نے کاوش کو سراہا اور خطوط لکھے۔ منتخب خطوط پیش خدمت ہیں۔

محمد علی (متحدہ عرب امارات): دو الفاظ میں بتادیا گیا ہے کہ باادب بانصیب اور بےادب بےنصیب — ضابطۂ حیات ہے۔ غور کیا جائے تو پہلا حصہ جنت کی زندگی اور دوسرا جنت سے زمین پر اترنا ہے۔ ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ کا یہ قول تاریخ کا حصہ ہے۔ ہر زمانے میں اس کی گونج رہے گی، انشاءاللہ۔

شاہ زین (کوئٹہ): باادب بانصیب اور بےادب بےنصیب کو مختلف زبانوں میں تصاویر کے ساتھ دیکھ کر ذہن میں آیا کہ بات ایک ہے، زبانیں الگ ہیں۔ سارا شور زبانوں میں تفریق نے مچا رکھا ہے۔ زبان بدلنے سے بات نہیں بدلتی۔ جو باادب ہوتا ہے، وہ جس قوم کا فرد ہو، بانصیب ہوجاتا ہے!

مومنہ حسین (کراچی): اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے کائناتی نظام کا جو قومیں ادب کرتی ہیں، وہ فلاح پاتی ہیں۔ اس نظام میں مداخلت کرنے والی قومیں نیست ونابود ہوجاتی ہیں۔

ڈاکٹر سلیمان خالد (راولپنڈی): جنوری 2020ء قریب ہے۔ میری تجویز ہے کہ اس مرتبہ روحانی ورکشاپ کا موضوع ''ضابطۂ حیات — باادب بانصیب، بےادب بےنصیب'' ہونا چاہئے۔

★ —— ★ —— ★

★ اکتوبر 2019ء کے ''آج کی بات'' پر خواتین وحضرات نے تفکر کیا۔ منتخب خطوط پڑھئے۔

شاہینہ سلیم (کراچی): ''آج کی بات'' پڑھ کر دل بھر آیا۔ تربیت کا سفر اور قانون بتایا گیا ہے اور پوری تحریر پر محبت غالب ہے۔ دن غیب ظاہر غیب ہوجاتے ہیں مگر ان لمحات سے بندھا ہوا احساس نقش ہوجاتا ہے۔

محمد ادریس (پھالیہ): ''آج کی بات'' نے تو مجھے رلا دیا۔ سچائی، خلوص، انتظار اور محبت۔ انتظار میں بےحد

تکلیف ہے مگر یہ تکلیف اور انتظار ایک ''مرید'' کو ''مرشد'' کی جان بنا دیتا ہے۔

عائزہ رفیق (کراچی): ہم قیاس پر زندگی گزارتے ہیں، جب قیاس پورا نہیں ہوتا تو تکلیف ہوتی ہے۔ قیاس ایک خول ہے اور ہم اپنے خول میں بند ہیں۔ اس مرتبہ ''آج کی بات'' بہت مختلف ہے۔

صادقہ رحمت (ملتان): لکھا ہے، ''آپ نے مجھے استاد بنایا ہے، میں نے بھی آپ کو آنکھوں کی روشنی بنا کر قبول کیا ہے۔ میرے اوپر فرض ہے کہ میں آپ کو راستے کی بھول بھلیوں سے آگاہ کرتا رہوں۔ آپ کا یہ فرض ہے کہ آپ منزل کے علاوہ چھوٹی بڑی عارضی شے قبول نہ کریں۔'' جب سے یہ پڑھا ہے، دل اپنی کوتاہی پر رو رہا ہے۔

صائمہ نصیر (فیصل آباد): روحانی استاد پہلے انا ختم کرتا ہے۔ سارا جھگڑا ''میں'' کا ہے۔ انسان جب اللہ کو اپنی منزل بنا لیتا ہے تو لوگوں سے توقعات ختم ہو جاتی ہیں اور شعور سے لاشعور کی دنیا میں سفر شروع ہو جاتا ہے۔ جو مشکلات آتی ہیں وہ ہمیں مضبوط بنانے کے لئے ہیں۔

عدنان نذیر (اٹک): مرشد اور مرید کے تعلق اور زندگی گزارنے کے طریقِ کار کی وضاحت کی گئی ہے۔ مرید کو چاہئے کہ وہ خود کو بچے کی طرح مرشد کے سپرد کر دے اور اس راستے میں تکالیف پر راضی بہ رضا رہے تو فیض منتقل ہوتا ہے اور وصل نصیب ہوتا ہے۔

وسیم احمد (راولپنڈی): اداریہ پڑھ کر ذہن میں ایک ہی بات گونج رہی ہے کہ میں کیا ہوں، کہاں سے آیا ہوں۔ اگر مجھے اس کی خبر نہیں ہوئی تو میں برائے نام شاگرد رہ جاؤں گا۔ ابا جی! میں بھی آپ کی طرح اندر باہر مرشد کی جھلک دیکھنا چاہتا ہوں۔

★ اکتوبر 2019ء کے مضامین پر قارئین کی آراء اور تفکر پڑھئے۔

صوفیہ (برطانیہ): ''ماہنامہ قلندر شعور'' تفرقہ سے ماورا رسالہ ہے۔ پڑھنے سے ذہن غیر ارادی طور پر نیوٹرل ہو جاتا ہے۔ میرے پاس مہینے میں ایک مرتبہ خواتین آتی ہیں اور پورا دن گزارتی ہیں۔ یہ فکری نشست ہوتی ہے جس میں اللہ اور رسولؐ سے محبت کی باتیں ہوتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ آپ کے گھر میں سکون ہے۔ رسالے میں قرآن کریم اور تصوف کی تعلیمات پڑھ کر انہیں سمجھ میں آ گیا کہ میرے گھر میں سکون کیوں ہے۔ محترم ابا جی (عظیمی صاحب) یہ سب آپ کی تربیت ہے کہ آپ نے ہمیں قرآن کریم میں تفکر اور اللہ اور اس کے محبوب حضرت محمدؐ سے محبت کرنا سکھایا۔ دعا ہے کہ گلستان عظیمی مہکتا رہے، آمین۔

عبدالجلیل خان جامعی (بہاولپور): ''ماہنامہ قلندر شعور'' ستمبر 2019ء سے میرے زیر مطالعہ ہے۔ دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس بے لوث خدمت پر آپ کو کامیابیوں سے سرفراز فرمائے، آمین۔ رسالے کا خریدار بننے

کے لئے منی آرڈر خط کے ساتھ منسلک ہے۔

مونسہ نجمی (لاہور): ''ماہنامہ قلندر شعور'' کی ادنیٰ قاری ہوں۔''آج کی بات'' اہم موضوعات پر ہوتی ہے۔ رسالہ پڑھنے سے سوچ کے نئے زاویے بنتے ہیں لیکن ان پر عمل کرنا مشکل لگتا ہے بہرحال کوشش جاری ہے۔

سمیرا آفتاب (کراچی): میری چھوٹی سی کوشش ''ماہنامہ قلندر شعور'' میں ''یقین کا پیٹرن'' کے عنوان سے شائع ہوئی جس کی بے حد خوشی ہے۔کرم نوازی پر شکر گزار اور مزید لکھنے کے لئے دعاؤں کی طلب گار ہوں۔

پروفیسر خالدہ مقبول (لاہور): ''ماہنامہ قلندر شعور'' بہترین اور سوچ کے نئے در کھولنے اور انوکھے زاویے دکھانے والا رسالہ ہے۔ہم جیسے لوگ جنہوں نے ساری عمر تصویر کا ایک رخ دیکھا ہے، اس رسالے نے زندگی کا دوسرا پہلو دیکھنے اور اس راستے کا خوش گوار احساس دیا۔سمجھ کر پڑھا جائے تو یہ زندگی بدلنے والا ماہنامہ ہے۔اللہ تعالیٰ اس کو دن دونی اور رات چوگنی ترقی دے۔یہ تحریر میں نے خود کوشش کر کے لکھی ہے۔

مبارک الٰہی (اسلام آباد): انتہائی ممنون ہوں کہ ستمبر 2019ء کے شمارے میں میرا خط ''فقیر کی ڈاک'' کے لئے منتخب کیا گیا۔محبت اور شفقت کے ساتھ آپ نے راہ نمائی فرمائی اس کے لئے مشکور اور دعا گو ہوں۔

ماریہ جبار (کراچی): مضمون ''قوت لایموت'' میں ہے کہ اللہ کس طرح اپنی مخلوق کے لئے ہزاروں میل سے رزق کا انتظام فرماتا ہے۔یعنی میں نے جو کچھ کھایا اور استعمال کیا اس کا انتظام نہ جانے دنیا کے کس خطے میں ہوا ہوگا۔اس بار سرورق کی تشریح پر نام نہیں لکھا۔کیا ادارہ کی طرف سے ہے؟ پرندوں کی دنیا کی بہترین تمثیل ہے۔لگتا ہے کہ لکھنے والے نے لکھتے لکھتے قلم روک دیا۔تشنگی رہ گئی۔

اقراء فاروق: استاد وہ ہے جو محبت سے سکھائے۔آپ نے محبت سے محبت سکھائی ہے۔زندگی کبھی کبھی مشکل امتحان بن جاتی ہے۔ہم بے دھیانی اور لاپروائی کی وجہ سے استاد کی قربت محسوس نہیں کرتے۔دعا کریں کہ یقین عطا ہو۔لگتا ہے کہ دنیا صرف محبّ اور محبوب کے رشتے پر قائم ہے۔

ثناء داؤد (ابوظہبی): پیرا سائیکالوجی کے تحت مسائل کے حل کے ساتھ پیرا سائیکالوجی کی تفہیم کا سلسلہ جاری رہنا چاہئے۔یہ مسائل کے حل کے ساتھ علمی سلسلے کی حیثیت اختیار کر لے گا۔

شہیر عباس (حیدرآباد): ''گوبھی کا پھول'' پڑھ کر لوٹ پوٹ ہوگیا۔آخری صفحہ اصلاح سے بھرپور مزاح اور خوب صورت گفتگو پر مشتمل ہے۔عابد صاحب کی تحریر نکھر گئی ہے۔

فخر جہاں (کراچی): ''سرخ، زرد یا بے رنگ'' کے ہر پیراگراف میں گہری بات ہے۔مضمون کئی بار پڑھنے کے بعد سمجھ میں آیا۔جب انسان موجود لیکن ناقابل تذکرہ ہو تو ایسے زون میں اس کا کردار اور حیات کا مقصد کیا ہے؟

ایک حرکت سے ہر شے متحرک ہے پھر سب میں حرکت کا مظاہرہ الگ کیوں ہے؟ قرآن کریم کی آیت میں نگاہ کے تین زاویوں کی وضاحت کر کے قاری کو قرآن میں تفکر کرنے کا طریقہ بتایا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ادارہ کو قرآنی آیات کی تفہیم کا سلسلہ شروع کرنا چاہئے۔ مجھ سے پہلے ایک اور صاحبہ بھی تجویز دے چکی ہیں۔

آنسہ عطیہ (گجرات): درختوں کی دنیا پر مضمون پڑھا۔ میں سوچتی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی زبان ایک کیوں نہیں رکھی تا کہ سب ایک دوسرے سے باتیں کرتے۔ اس رسالے کو پڑھ کر ذہن کھلا اور سمجھ میں آیا کہ کائنات کی زبان ایک ہے جس کو انا کی لہریں کہتے ہیں۔ زبان ایک ہے۔۔۔ لیکن ہم اس سے واقف نہیں ہیں۔

انجینیئر سمیع محمود (لاہور): ''نو کروڑ میل دور۔۔۔؟'' میں سوالات کئے گئے ہیں وہ قارئین کے لئے ہیں لیکن مضمون نگار کو چاہئے کہ وہ ایک اور مضمون لکھ کر ان کے جوابات بھی دے۔ اس مضمون میں بہت قوانین ہیں جن کی فہرست خود ادارہ نے بھی دی ہے۔ اماں نے بچہ کو دور موجود چاند قریب دکھایا اور محقق نے دور۔ میرا سوال ہے کہ محقق کی اماں نے بھی اسے چاند قریب دکھایا ہوگا، پھر اس نے چاند کو دور دیکھنا اور سمجھنا کہاں سے سیکھا۔۔۔؟

- محترم خواتین وحضرات! ''نامے میرے نام'' کالم اس لئے شروع کیا گیا تا کہ دماغ کے پرت کھلیں۔ چوں کہ دنیا پر انفرادی سوچ کا غلبہ ہے جب کہ انفرادیت نے اجتماعیت کی صورت اختیار کر لی ہے۔ قلندر شعور کی کوشش ہے کہ عوام کے اندر تفکر کا پیٹرن کھلے اور شعوری دلدل سے نکل کر اس زون میں سفر کیا جائے جس زون میں الوژن نہیں ہے۔

حافظ رشید (ملتان): ایک عظیمی بہن کون ہیں۔۔۔؟ ''بادشاہ کون۔۔۔؟'' پر ہماری طرف سے انہیں شاباش۔ جواب ضرور دیجئے گا کہ یہ ہیں کون؟ نام دل چسپ ہو تو تجسس پیدا ہو جاتا ہے۔ اکتوبر 2019ء کے سارے مضمون ماشاءاللہ پُرمغز ہیں۔ ''تان سین'' بھی اچھا اضافہ تھا۔

- نام مضمون لکھنے والے کی امانت ہے۔

شازیہ (لاہور): شکاریات پر مضامین آنے چاہئیں۔ مضمون ''عقل مند چیتا'' پڑھ کر ذہن میں تصویر بن گئی۔ پہلی قسط جہاں روکی ہے وہاں سانس حلق میں رہ گیا۔ چوں کہ شکاری صاحب نے مہم خود بیان کی ہے اس لئے یہ تو یقین ہے کہ وہ بچ گئے۔ بچوں سے لے کر بڑوں کی تحریروں نے رسالے کو گلدستہ بنا دیا ہے۔

★ **اللہ میاں کے باغ کے پھول میں ''بچوں آپ کیا سمجھے۔۔۔؟'' پر بچوں کے جوابات پڑھئے۔**

۱۔ **راشد:** ہم سمجھے ہیں کہ ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کریں۔ سب کے ساتھ سلام دعا رکھیں اور پُراعتماد رہیں۔

۲۔ **فضا سرور:** مشکل ڈر کے بجائے خوشی سے مل کر آسان ہوتی ہے۔

۳۔ **ارباب:** چائے، انڈا اور آلو کی مثال بتاتی ہے کہ منفی ماحول کو خود پر حاوی نہیں ہونے دینا چاہئے۔

حامد ابراہیم

ایک وقت آواز ریزہ ریزہ ہو جائے گی

1831ء میں برطانیہ کے شہر مانچسٹر کے قریب پل پر شاہی فوج کا دستہ پریڈ کرتا ہوا گزر رہا تھا۔ پل دفعتاً مکمل طور پر ٹوٹ گیا کیوں کہ سپاہیوں کے مارچ کرنے کا ردھم اور پل کی قدرتی فریکوئنسی ہم آہنگ ہوگئی تھی۔ یہ سپاہیوں کے قدموں کی قوت سے نہیں ہوا۔

خالق کائنات اللہ رب العالمین فرماتے ہیں:

''پھر جب ایک دفعہ صور میں پھونک ماردی جائے گی اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر ایک ہی چوٹ میں ریزہ ریزہ کردیا جائے گا اس روز وہ ہونے والا واقعہ پیش آئے گا۔ اس دن آسمان پھٹے گا اور اس کی بندش ڈھیلی پڑ جائے گی۔'' (الحاقۃ: ۱۳-۱۶)

قرآن کریم میں ہر شے تفصیل سے بیان ہے۔ آیات کے مطالعے سے واضح ہے کہ صور میں پھونکنے سے مراد مخصوص آواز کے پیدا کرنے کا میکانزم ہے جس کے نتیجے میں زمین (بشمول عمارتیں، درخت یا جو کچھ زمین کے اندر باہر ہے) اور پہاڑ اپنی ہیئت کھو کر ذرّوں میں تبدیل ہو جائیں گے حتیٰ کہ اس آواز سے آسمان بھی قائم نہیں رہ سکیں گے اور پھٹ جائیں گے۔

آواز میں ایسی قوت اور تاثیر ہے جو موجودات کو خواہ زمینی ہوں یا آسمانی، تحلیل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ صوتی علم کا یہ کائناتی اور لامحدود رخ، خاتم النبیین حضرت محمدؐ کے قلب اطہر پر نازل ہونے والی کتاب قرآن کریم میں تقریباً پندرہ سو سال قبل بیان کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے کی آسمانی کتابوں میں بھی آواز کا قانون مذکور ہے۔

قارئین کرام! آواز کے آفاقی رخ میں تفکر سے قبل جائزہ لیتے ہیں کہ اس کا ہماری زندگی میں کیا کردار ہے۔ بچہ پیدا ہوتا ہے۔ بصارت موجود لیکن اتنی نحیف ہے کہ بچہ پوری آنکھیں نہیں کھولتا۔ لہٰذا کسی شے کو دیکھ کر پہنچاننے اور حافظے میں محفوظ کرنے کے مراحل تقریباً غیر فعال ہیں۔ جسم اتنا توانا نہیں کہ بچہ مرضی سے پہلو بدل سکے۔ سماعت کے حوالے سے تجربہ ہے کہ نومولود میں یہ حس دوسرے حواس کی نسبت زیادہ فعال ہوتی ہے۔ بچہ آواز کے اتار چڑھاؤ، تخاطب اور آہٹ پر ردعمل ظاہر کرتا ہے۔

★ نومولود کے کان میں اذان کے کلمات ادا کر

کے ہم بچے کے ننھے شعور کو کیا پیغام دیتے ہیں ــــ؟

★ اس عمر میں یہ پیغام بقیہ حواس کے ذریعے دینا کیوں ممکن نہیں ــــ؟

زندگی کی تخلیق آواز سے ہوتی ہے۔ بچے کا پیدائش کے بعد رونا ڈاکٹر، والدین اور عزیز و اقارب کے لئے باعث اطمینان ہوتا ہے کہ بچہ صحت مند ہے۔ بڑا ہوتا ہے تو اپنی اور دوسروں کی آوازیں انفرادی پہچان رکھتی ہیں۔ افراد کا ربط، گفتگو، زبانیں، موسیقی اور آواز کی جتنی طرزیں ہیں، زندگی کا لازمی جزو بن جاتی ہیں۔ تفصیل کی گنجائش نہیں لیکن ہم دیکھ سکتے ہیں کہ آواز کسی بھی فرد کے تعارف کا جزو اعظم ہے۔

کتابوں میں لکھے الفاظ بظاہر شکلیں یا علامتیں ہیں جو دیکھنے کی حس سے متعلق ہیں۔ درحقیقت الفاظ آوازوں کو ریکارڈ کرنے کی علامتی شکل ہیں یعنی جس آواز سے متعلق کوئی علامت لفظ کی صورت میں ہے اسے دوبارہ اسی آواز میں حاصل (decode) کیا جاسکے۔ یہی وجہ ہے کہ جن علامات کے صوتی مفہوم کو بھلا دیا جاتا ہے ان کی حیثیت بے معنی ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال مردہ زبانیں ہیں۔ کئی ایسی زبانوں کی تحریریں موجود ہیں جن کی صوتی تفہیم کا ریکارڈ فی الحال کسی کے حافظے میں نہیں ہے اس لئے ان زبانوں کے بارے میں قیاسات اور مفروضات باقی رہ گئے ہیں۔

آواز کیا ہے؟ دور حاضر کے علوم کے مطابق آواز توانائی کی مخصوص شکل ہے جو لہروں کی صورت میں سفر کرتی ہے۔ محققین کے مطابق آواز کی لہروں کے پیدا ہونے اور سفر کرنے کے لئے مادی میڈیم ضروری ہے۔ شے میں تھرتھراہٹ پیدا ہوتی ہے تو یہ تھرتھراہٹ اس شے سے متصل میڈیم جیسے ہوا، پانی، لوہے وغیرہ میں منتقل ہوتی ہے اور لہروں کی صورت میں سفر کرتی ہے۔ یہ لہریں تنی ہوئی جھلی نما ساخت سے ٹکرائیں تو اس میں بھی ارتعاش پیدا ہوتا ہے۔

کوئی بھی شے جس میں لچک ہو اور اپنی حالت میں تبدیلی کے خلاف مخصوص مزاحمت ہو، ارتعاش پیدا کرنے اور وصول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

ہمارے کان جھلی دار میکانزم کی بہترین مثال ہیں۔ اسکول کی گھنٹی بجتی ہے۔ گھنٹی کے چپٹے اور پتلے جسم پر ہتھوڑے کی ضرب پڑتی ہے۔ گھنٹی ضرب کی توانائی کو جذب کر کے توانائی کی مقدار اور اپنے جسم کی ساخت، حجم، محیط اور وزن کی مقداروں کو یکجا کر کے تھرتھراتی ہے۔ تھرتھراہٹ یا وائبریشن (ارتعاش) کی مخصوص شرح ہے۔ یعنی مخصوص وقفے (مثلاً سیکنڈ) میں گھنٹی ارتعاش کو جتنی دفعہ دہراتی ہے وہ گھنٹی کی فریکوئنسی ہے۔ ایک سیکنڈ میں گھنٹی 70 یا 100 مرتبہ تھرتھرائے تو فریکوئنسی 70 یا 100 ہوگی۔

ماحول میں ہر طرف ہوا موجود ہے۔ ہوا کے ذرّات، ٹھوس اور مائع کے ذرّات کی نسبت آپس میں فاصلے پر

موجود ہیں لیکن یہ فاصلہ اتنا زیادہ نہیں کہ ماحول میں کوئی جگہ ان سے خالی رہ جائے۔ چناں چہ گھنٹی کی تھرتھراہٹ بلاتعطل ہوا کے ذرّات میں منتقل ہو جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہوا کے ذرّات بھی گھنٹی کی فریکوئنسی سے تھرتھرانے لگتے ہیں اور ہوا کے ذرّات میں سفر کرتا ہوا ارتعاش سماعت بنتا ہے۔

کان کا پردہ انتہائی حساس جھلی ہے۔ یہ ارتعاشات یعنی آوازوں کی وسیع رینج (20 ہرٹز سے 20 ہزار ہرٹز ارتعاش فی سیکنڈ) کو وصول کر کے اس فریکوئنسی میں حرکت کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ گھنٹی کے مخصوص ارتعاش کو اسی فریکوئنسی میں دہراتے ہوئے کان کا پیچیدہ مگر حساس نظام صوتی سگنل کو برقی سگنل میں تبدیل کرتا ہے جو بالآخر دماغ میں سماعت کے لئے مخصوص خلیات تک پہنچتا ہے اور ہمیں گھنٹی کی آواز اور اس کی مقداروں (شدت، بلندی، سریلا پن وغیرہ) کا احساس ہوتا ہے۔

سارے عمل میں غالباً زیادہ دل چسپ مرحلہ گھنٹی کی آواز کان کے پردے سے ٹکرانا ہے۔ پردہ اسی فریکوئنسی میں نہ تھرتھرائے تو ہم آواز نہیں سن سکتے۔ یا اگر گھنٹی کی آواز کی فریکوئنسی کے بجائے اس سے کم وبیش فریکوئنسی میں تھرتھرائے تو گھنٹی کی اصل آواز کے بجائے اور طرح کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔

جب تک کان کے پردے ٹکرانے والی آواز کے مطابق من وعن حرکت نہ کریں، ہم آواز کو اس کی اصل حالت میں نہیں سن سکتے۔ اور جن آوازوں پر کان کے پردوں میں ارتعاش نہ ہو، وہ سنائی نہیں دیتیں۔ مثال وہ آوازیں ہیں جو ہماری سماعتی فریکوئنسی سے ماورا ہیں یعنی 20 ہرٹز سے کم اور 20 ہزار ہرٹز کی فریکوئنسی سے زیادہ سطح کی آواز۔ ایک شے کا دوسری شے کے ارتعاش کو من وعن قبول کر کے مظاہرہ کرنے کو صوتی طبیعیات میں resonance (ہم آہنگ) ہونا کہتے ہیں۔

قدرتی فریکوئنسی: سبز مائل پیلا رنگ آنکھ کو دیگر رنگوں سے روشن اور شوخ لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں زیادہ قابل توجہ عوامل یا اشیا میں اس رنگ کا استعمال زیادہ ہوتا ہے۔ ایمبولینس، پولیس، انجینیئر وغیرہ۔ اس رنگ کو ہائی الرٹ کے نقطۂ نظر سے استعمال کرتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟

ہماری آنکھ جن روشنیوں کو دیکھ سکتی ہے ان میں سبز مائل پیلی روشنی کی فریکوئنسی ایسی ہے جو آنکھ میں موجود حسی نظام کو باقی تمام روشنیوں سے زیادہ متاثر کرتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہماری بصری حس اس روشنی سے دوسری روشنیوں کی نسبت زیادہ ہم آہنگ ہے۔ چناں چہ اس روشنی کی فریکوئنسی آنکھوں کی قدرتی فریکوئنسی کہلائے گی۔

بالکل اسی طرح ہمارے کان کے پردے یا کوئی بھی شے جس میں لچک اور ارتعاش کی صلاحیت ہو، مخصوص قدرتی فریکوئنسی رکھتی ہے۔ اس فریکوئنسی پر آواز ہمیں

بلندترین سنائی دیتی ہے۔ گھنٹی کی قدرتی فریکوئنسی 100 ہرٹز ہے۔ ہتھوڑے کی ضرب گھنٹی پر صحیح مقام اور مقدار میں اس طرح لگے کہ ارتعاش فی سیکنڈ 100 مرتبہ ہو تو اس ضرب پر گھنٹی کی آواز بلندترین ہوگی۔ کیوں کہ یہ گھنٹی کی قدرتی فریکوئنسی کے مساوی ہے۔

کیا ضرب لگائے بغیر فاصلے سے گھنٹی بجانا یعنی ارتعاش پیدا کرنا ممکن ہے؟ دل چسپ امر ہے کہ یہ ممکن ہونے کے ساتھ ساتھ تمام لاسلکی ذرائع مواصلات میں بنیادی اصولِ کار ہے۔

مثال نمبر۱: اسکول میں 0.5 سینٹی میٹر موٹی اور دو فٹ قطر لوہے کی گھنٹی میدان کے ایک سرے پر ہے۔ اس جیسی دوسری گھنٹی اسی کی سیدھ میں کچھ فاصلہ پر ہے۔ دونوں کی قدرتی فریکوئنسی ایک (مثلاً 300 ہرٹز) ہے۔ اگر ان کے درمیان فاصلے، رخ اور پوزیشن کا تعین درست ہو اور ایک گھنٹی پر اس طرح ضرب لگے کہ وہ اپنی قدرتی فریکوئنسی میں تھرتھرائے — جیسے ہی تھرتھراہٹ آواز کی صورت میں دوسری گھنٹی سے ٹکرائے گی، دوسری گھنٹی بھی اسی فریکوئنسی میں تھرتھرانے لگے گی اور بالکل پہلی گھنٹی جیسی آواز پیدا کرے گی۔ چوں کہ یہ عمل قدرتی فریکوئنسی کی حدود میں ہو رہا ہے اس لئے تھرتھراہٹ اپنی بلندترین سطح پر ہوگی۔ دونوں گھنٹی کے اجسام مضبوط اور چھوٹے ہیں اس لئے ہوسکتا ہے کہ یہ عمل ارتعاش سے آگے نہ بڑھے۔ البتہ بڑے حجم یا کم زور اجسام میں اس طرح کی صورت حال بعض اوقات اتنی شدید ہوجاتی ہے کہ اجسام ٹوٹ پھوٹ سکتے ہیں اور ریزہ ریزہ بھی ہوجاتے ہیں۔

مثال نمبر۲: مشہور ہے کسی ساز کے بجانے یا گلوگار کے گانے سے سامنے رکھے شیشے کے ظروف ٹوٹ گئے۔ بظاہر یہ افسانوی باتیں لگتی ہیں لیکن جدید صوتی طبیعیات کی رو سے یہ قدرتی فریکوئنسی کے ہم آہنگ ہونے کی بہترین مثالیں ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں ایسے ماہر گلوگار اور سازندے موجود رہے ہیں جو مخصوص لے، سُر یا ساز کی خاص دھن پیدا کرتے تو ان سُروں یا دھنوں کی فریکوئنسی سامنے رکھے شیشے کے ظروف کی قدرتی فریکوئنسی سے ہم آہنگ ہوجاتی — ظروف اسی فریکوئنسی میں لرزتے تھے۔ بلاشبہ یہ فنکاروں کی مہارت اور فنِ موسیقی پر دسترس تھی کہ وہ حسب منشا ایسی فریکوئنسی کی آوازیں پیدا کرتے تھے۔

موسیقی میں تحقیق سے واضح ہوگیا ہے کہ شیشہ یا کسی بھی مادے کی کوئی قدرتی فریکوئنسی موجود ہے۔ اگر کسی شے پر اس کی قدرتی فریکوئنسی کے مساوی لہریں ڈالی جائیں تو وہ شے اسی فریکوئنسی میں تھرتھرانے لگتی ہے اور شدت کی صورت میں ٹوٹ سکتی ہے۔

مثال نمبر۳: 1831ء میں برطانیہ کے شہر مانچسٹر

کے قریب پل پر شاہی فوج کا دستہ پریڈ کرتا ہوا گزر رہا تھا۔ پل دفعتاً مکمل طور پر ٹوٹ گیا کیوں کہ سپاہیوں کے مارچ کرنے کا ردھم اور پل کی قدرتی فریکوئنسی ہم آہنگ ہوگئی تھی۔ یہ سپاہیوں کے قدموں کی قوت سے نہیں ہوا۔ ان کے قدموں کی قوت پل کی مضبوطی اور پائیداری سے کہیں کم تھی۔

محققین نے اس واقعے کے پیچھے کارفرما ہم آہنگی (resonance) کے عمل کا سراغ لگایا اور تب سے پلوں پر فوجی دستوں کو منظّم پریڈ کے بجائے بے ترتیب یعنی عام طریقے سے گزرنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔

مثال نمبر۴: امریکی ریاست واشنگٹن میں جزیرہ نما مقام Kitsap کو قریبی قصبے Tacoma سے ملانے کے لئے پل تعمیر کیا گیا۔ اس پل کا افتتاح یکم جولائی 1940ء کو ہوا۔ لوہے، تانبے اور کنکریٹ سے بنا یہ معلق پل (suspension bridge) تعمیر کے وقت دنیا کا تیسرا بڑا پل اور انجینیئرنگ کا شاہکار تھا۔ لمبائی 1810 میٹر اور نیچے پانی کی بلندی 60 میٹر تھی۔

افتتاح کے تقریباً چار ماہ بعد 7 نومبر 1940ء کی صبح تیز ہوائیں چلیں۔ آندھی کی رفتار 64 کلو میٹر فی گھنٹا ریکارڈ کی گئی۔ یہ رفتار ایسی تیز اور شدید نہیں کہ لوہے اور کنکریٹ سے بنے بھاری اجسام خطرے سے دوچار ہوں۔ لیکن ہوا کے رخ اور رفتار سے ایسا ردھم پیدا ہوا کہ پل اپنی قدرتی فریکوئنسی سے لرزنے لگا اور چند ہی لمحوں میں اس عمل میں اتنی شدت پیدا ہوئی کہ نیچے موجود آبنائے پیوجٹ (puget) میں جا گرا۔

یہ ڈرامائی اور عجیب وغریب صورت حال تھی۔

جلد عقدہ کھلا کہ ہوا کے پیدا کردہ ردھم (جو پل کی قدرتی فریکوئنسی کے مساوی تھا) کی وجہ سے ہوا ہے۔ یہ واقعہ تصویری اور فلمی ریکارڈ میں محفوظ ہے۔

بیان کئے گئے واقعات سے سمجھنا آسان ہے کہ ہر مادی جسم کی قدرتی فریکوئنسی ہے جسے معلوم کرنے کے بعد اس جسم کو اسی فریکوئنسی میں کسی بھی طریقے سے مرتعش کیا جائے تو جسم شدت سے لرزتا ہے۔ یہ عمل مسلسل ہو تو شدت کی بنا پر ٹکڑے ہوسکتا ہے۔

محققین وضاحت کرتے ہیں کہ قدرتی فریکوئنسی اکثر ایک عددی مقدار کے بجائے مقداروں کے ایک سیٹ کی صورت میں ہوتی ہے۔ اس سیٹ میں یہ مقداریں ایک دوسرے کے بہت قریب لیکن جدا ہوتی ہیں۔ ان مقداروں میں پھر ایسی مقداریں ہیں کہ جن کی عددی قدر کے عین مطابق اگر ہم آہنگ لہریں پیدا ہو جائیں تو شے ٹوٹ پھوٹ کے بجائے ذرّات میں تبدیل ہوسکتی ہے۔

مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ مضمون کی ابتدا میں آیات کے مطابق صور پھونکنا ایسا مکانزم ہے جس پر مقرر فرشتے اللہ کے حکم سے جب اسے حرکت دیں

گے تو کائنات میں موجودات اپنی مقرر کردہ فریکوئنسی کے اعتبار سے مرتعش ہونا شروع ہوں گی۔ یہاں تک کہ اپنی بنیادی مقداروں میں تحلیل ہو جائیں گی۔

صوتی طبیعیات کے ماہرین دریافت کر چکے ہیں کہ بے شک کوئی شے بظاہر ارتعاش پذیر نہ ہو لیکن اگر کسی نظام کا حصہ ہو (جیسے سیارہ زمین) تو اس نظام کی اپنی قدرتی فریکوئنسی موجود ہے۔ جب کسی نظام کو اس کی قدرتی فریکوئنسی سے مرتعش کیا جائے تو وہ نظام ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔

الٹرا ساؤنڈ: 20 ہزار ہرٹز سے زیادہ فریکوئنسی کی آوازیں الٹراساؤنڈ کہلاتی ہیں۔ حضرت صالحؑ کی قوم نے دعوتِ توحید کو ٹھکرایا اور اپنی ہی فرمائش کے نتیجے میں رونما ہونے والے عظیم معجزے اونٹنی کو ہلاک کر دیا۔ ان پر عذاب نازل ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''اور ظالموں کو چنگھاڑ نے آلیا تو صبح اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔'' (ھود: ٦٧)

محترم عظیمی صاحب فرماتے ہیں:

''چنگھاڑ یا صور آواز کی ایسی لہر ہے جو انفرادی شعور کی سکت سے زیادہ ہے۔ زیادہ کرخت آواز چنگھاڑ بن جاتی ہے، چنگھاڑ آواز کی ایسی لہروں کا مجموعہ ہے جو زندگی میں کام کرنے والی لہروں کو درہم برہم کر دیتی ہے، شعور بکھر جاتا ہے، آدمی بھس کی طرح ہو جاتا ہے۔ جب لہری نظام ٹوٹ جاتا ہے تو زندگی موت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ چنگھاڑ آواز کی ایسی لہر ہے جو ساعت کے سسٹم کو توڑ دیتی ہے۔ سسٹم کا ٹوٹنا حواس کا ٹوٹنا ہے۔ عام حالات میں دیکھا گیا ہے کہ 'دھماکا' سے ساعت ختم ہو جاتی ہے، کان کے پردے پھٹ جاتے ہیں۔''

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ نے آواز کے ذریعے زندگی کی لہروں کے نظام کے درہم برہم ہونے اور بنیادی مقداروں میں تحلیل ہونے کے قوانین، حکمت اور فارمولے بیان فرمائے ہیں۔

تفکر طلب ہے کہ جو شے زندگی کو موت میں تبدیل کر سکتی ہے، زندگی کو قائم رکھنے والی مقداروں کو درہم برہم کر سکتی ہے وہ یقیناً زندگی کی ابتدا اور قیام میں بھی کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔

سمندر میں آواز کی لہروں کا پورا سسٹم ہمارے سامنے ہے۔ سطح سمندر پر موجیں ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر تواتر کے ساتھ سفر کرتی ہیں۔ ان لہروں کے مدوجزر میں جب ہوا کی قوت شامل ہو جاتی ہے تو طغیانی میں ساحل سمندر پر موجوں کی آواز میں دوسری آوازیں ڈوب جاتی ہیں۔ سطح سمندر میں جتنا شور ہے، سمندر کی گہرائی میں اتنی ہی خاموشی ہے۔ آواز کی لہریں گہرائی سے ابھر کر اپنا مظاہرہ کرتی ہیں۔ گہرائی میں آواز کو ہماری سماعت سن نہیں سکتی اس لئے ہم اسے خاموش آواز کہہ دیتے ہیں۔ (کتاب: محمد رسول اللہؐ جلد سوم)

37 ہزار 797 فٹ

25 ہزار جزائر کا مطلب ایسے پہاڑ جن کی چوٹیاں سطحِ آب سے باہر ہیں۔ یہ تعداد محققین کی بتائی ہوئی 30 ہزار سی ماؤنٹس کے علاوہ ہے جو اسی سمندر میں پُراسرار خاموشی سے ایستادہ ہیں۔ سمندر کی زمین اس مقام پر خشکی کے مقابلے میں ہزاروں فٹ نیچے ہے۔

''وہ دن کے اندر رات اور رات کے اندر دن کو پروتا ہوا لے آتا ہے، چاند اور سورج کو اس نے مسخر کر رکھا ہے اور سب کچھ ایک وقت مقرر تک چلے جا رہا ہے اور وہی اللہ تمہارا رب ہے اور بادشاہی اسی کی ہے اسے چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ ایک پرکاہ کے مالک بھی نہیں ہیں۔'' (فاطر:۱۳)

قدرت کے عجائبات دیکھئے کہ زمین کے اوپر سمندر کھارا اور زیرِ زمین سمندر میٹھا ہے۔ میٹھا سمندر — ؟ جی ہاں! آپ نے ٹھیک پڑھا۔ چشمے کو سمندر نہیں سمجھا جاتا مگر کیا کسی نے چشمے کی وسعت دیکھی ہے اور معلوم ہے کہ یہ ابلتا کہاں سے ہے — ؟

پہاڑوں میں چھوٹے دہانوں سے بہنے والے چشمے کو دیکھ کر سب اسے چھوٹا سمجھتے ہیں جب کہ یہ زیرِ زمین میٹھے پانی کے سلسلے سے جڑے ہوئے ہیں اس طرح ہر چشمہ تہ میں سمندر ہے۔

''کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کو سوتوں اور چشموں اور دریاؤں کی شکل میں زمین کے اندر جاری کیا، پھر اس پانی کے ذریعے سے وہ طرح طرح کی کھیتیاں نکالتا ہے جن کی قسمیں مختلف ہیں پھر وہ کھیتیاں پک کر سوکھ جاتی ہیں پھر تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد پڑ گئیں پھر آخر کار اللہ ان کو بھس بنا دیتا ہے، درحقیقت اس میں سبق ہے عقل رکھنے والوں کے لئے۔'' (الزمر : ۲۱)

خالق کائنات کی رحمت ہے کہ میٹھا سمندر کھارے سمندر سے نہیں ملتا۔ سمندر کا پانی نمکین اور کڑوا ہوتا ہے ساحل پر کنواں کھودیں تو اکثر و بیش تر پانی میٹھا نکلتا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ کراچی کے ساحل پر واقع صوفی بزرگ عبداللہ شاہ غازیؒ کے مزار پر میٹھے پانی کا چشمہ ہے۔ پانی بہنے، جذب ہونے اور سرایت کرنے والی تخلیق ہے۔ ایک ہی مقام پر دو متضاد خواص کے پانی کا موجود ہونا اور دوری برقرار رہنا — عجائبات قدرت میں سے ہے۔ ان ہر دو سمندروں کے درمیان پردہ

حائل ہے جس سے شناخت برقرار رہتی ہے۔

''اور وہی ہے جس نے دو سمندروں کو ملا رکھا ہے ایک لذیذ و شیریں، دوسرا تلخ و شور۔ اور دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے۔ ایک رکاوٹ ہے جو انہیں گڈمڈ ہونے سے روکے ہوئے ہے۔'' (الفرقان: ۵۳)

زمین پر ایک مقام آبنائے جبل طارق ہے جسے انگریزی میں Strait of Gibraltar کہتے ہیں۔

''آبنائے جبلِ طارق دو سمندروں — بحر اوقیانوس اور بحیرہ روم کو ایک دوسرے سے منسلک کرتی ہے مگر اس طرح کہ دونوں مل کر بھی ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ آبنائے کے شمال میں جبلِ طارق اور اسپین — جنوب میں مراکش واقع ہے۔

بحری جہاز جب اس خطِ مستقیم پر سے گزرتا ہے تو پانی کے دونوں طبقات ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ جہاز جب سیاہ اور سفید کی دیوار کو کاٹتا ہے تو سفید پانی کی لہریں پلٹ کر سفید پانی میں اور سیاہ پانی کی لہریں سیاہ پانی میں گرتی ہیں۔ ایک قطرہ پانی بھی کالے میں سفید اور سفید میں کالا شامل نہیں ہوتا۔''

اسی طرح بحر الکاہل اور اوقیانوس دونوں میلوں گہرے ہیں۔ یہ شمال میں بحیرہ بیرنگ کے مقام پر ملنے کے باوجود الگ رہتے ہیں۔ سرچ انجن گوگل پر تصاویر میں ایک سمندر میں ساتھ بہنے والے دو رنگ پانی کو دیکھا جاسکتا ہے۔ ان کے درمیان رکاوٹ نظر نہیں آتی لیکن دیکھ کر لگتا ہے کہ پانی خود ایک دوسرے کے لئے پردہ بن گیا ہے۔ تہ سے سطح تک دونوں طرف سے لہریں اٹھتی ہیں، پانی کو آگے دھکیلتی ہیں اور واپس ہو جاتی ہیں۔

قرآن کریم میں دو سمندروں کے درمیان دیوار کو ''برزخ'' کہا گیا ہے۔ برزخ کیا ہے —؟ کیا برزخ صرف پانی میں ہے، اور کسی شے میں نہیں —؟

لغوی اعتبار سے برزخ دو چیزوں کے درمیان روک اور آڑ کو کہتے ہیں۔ معنوی اعتبار سے برزخ اسپیس ہے جو دو مقداروں کے درمیان شناخت برقرار رکھتی ہے۔ ہمارے اردگرد ہر شے ''برزخ'' کے قانون پر قائم ہے۔

۱۔ عمارت کی مثال سامنے ہے۔ پوری عمارت ایک طرح کے مواد سے بنتی ہے مگر الگ نظر آتی ہے۔ کمرے میں چاروں دیوار، چھت اور زمین ایک ہیں مگر تعمیر کے لئے ان کو سمتیں دینے کی وجہ سے الگ الگ گمان کیا جاتا ہے۔ جس مقام پر سمت واضح ہوتی ہے اسے برزخ کہنا بے جا نہیں۔

اسی طرح ایک زمین پر مختلف نقش و نگار بنا دیئے جائیں تو ان نقوش میں جس مقام پر شکل یا سمت بدلتی ہے وہ ایک طرح سے برزخ ہے۔ برزخ — اسپیس ہے جس کی وجہ سے چیزیں نظر آتی ہیں۔ اگر برزخ نہ ہو تو اشیا نظر نہیں آئیں گی۔

۲۔ مٹی کے تیل اور پانی کو شیشے کے ایک برتن میں

بحرالکاہل زمین کے کل رقبے کے ایک تہائی حصے پر پھیلا ہوا ہے۔

ڈالیں اور برزخ کا نظارہ کریں۔ جتنا تحلیل کرنے کی کوشش کی جائے، یہ نہیں ملتے۔ وجہ یہ ہے کہ مٹی کا تیل بھی پانی ہے لیکن مقداریں کثیف ہیں جب کہ پانی کی مقداریں عام حالت میں لطیف ہیں۔

۳۔ زیتون کا تیل مٹی کے تیل سے کم کثیف ہوتا ہے۔ اس کو پانی میں ملانے کے باوجود تیل اوپر آجاتا ہے۔ وجہ دونوں کی مقداروں کا الگ ہونا ہے۔

تخلیقات پانی میں سے ظاہر ہوتی ہیں۔ پانی میں برزخ کا قانون متحرک ہے اس لئے پانی سے بننے والی ہر شے ایک دوسرے سے منفرد ہے۔ جیسے کہ جس بساط پر چہرہ قائم ہے وہ ایک ہے مگر خدوخال کے درمیان اسپیس ہے۔ آنکھ، ناک، رخسار، ہونٹ، ٹھوڑی ایک بساط پر ہیں لیکن ایک دوسرے سے منفرد ہیں۔ ان کے درمیان اسپیس بھی برزخ ہے۔

میٹھا اور نمکین مقداریں ہیں۔ آب شور اور شیریں کا عجوبہ صرف زمین پر نہیں فضائی دنیا میں بھی ہے۔ سمندر سے بخارات اٹھتے ہیں اور بادل بنتے ہیں۔ بادلوں سے برسنے والا پانی میٹھا اور سمندر کا پانی کھارا ہے۔ اربوں کھربوں ٹن پانی کی دنیا بادل بن کر تیر رہی ہے۔ جو سمندر زمین پر ہے وہی فضا میں ہے، بس درمیان میں برزخ ہے۔ شعور سمجھنا چاہتا ہے کہ،

★ جو پانی زمین پر کھارا ہے وہ ہوا سے گزرتے ہوئے بادلوں میں جا کر میٹھا کیسے بن رہا ہے ــــ؟

★ سمندر کے پانی میں نمکیات کہاں سے آتی ہیں جب کہ آسمان سے برسنے والا پانی میٹھا ہے ــــ؟

★ سمندری پانی کا بخارات بننا اور بخارات کا میٹھے پانی میں تبدیل ہونا کیا اشارہ نہیں کہ دن رات اور رات دن کی طرح میٹھے میں سے نمکین اور نمکین میں سے میٹھا پانی نکل رہا ہے ــــ؟ یعنی دونوں ذائقے مقداروں پر قائم ہیں۔

زمین نشیب و فراز میں ہے۔ کہیں گہری ہے، کہیں اونچی اور کہیں چٹیل میدان ہیں۔ جہاں زمین بہت گہری ہے وہاں سمندر ہیں۔ زمین کے نشیب و فراز کو ہموار کر دیا جائے تو خطۂ ارض پر ہزاروں فٹ گہرا پانی چڑھ جائے گا۔

ہمالیہ دنیا کے بلند ترین پہاڑوں کی بستی ہے مگر ہمالیہ کے برابر پہاڑ ہر خطے میں موجود لیکن زیرِ آب ہیں۔ ان کو سی ماؤنٹس (seamounts) کہا جاتا ہے۔ وہ پہاڑ جس کی چوٹی پانی کی سطح پر ابھری ہوئی ہو، جزیرہ کہلاتی ہے اور جس پہاڑ کی چوٹی پانی میں ڈوبی ہوئی ہو اسے سی ماؤنٹ کہتے ہیں۔ یہ تین سے لے کر بارہ ہزار فٹ تک بلند پہاڑ ہیں اور ان میں بیش تر آتش فشاں ہیں جو خوابیدہ ہیں۔

''ماونا کیا'' پہلے زیرِ آب تھا، آج خوابیدہ آتش فشاں کی صورت میں امریکا کی ریاست ہوائی میں موجود ہے۔ اس کا آدھے سے زیادہ حصہ پانی کے اندر ہے۔ سمندر کے فرش سے اس کی بلندی دس سے تیرہ ہزار فٹ بتائی جاتی ہے۔

محققین کا کہنا ہے کہ جزائر کے علاوہ خطۂ ارض پر جو پہاڑ سمندر میں ڈوبے ہوئے ہیں ان کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ صرف بحرالکاہل میں تیس ہزار کے قریب ہزاروں فٹ بلند پہاڑ زیرِ آب ہیں۔

بحرالکاہل دنیا کا سب سے بڑا سمندر ہے۔ یہ لاطینی لفظ Mare Pacifum سے نکلا ہے جس کا مطلب پُرسکون سمندر ہے۔ یہ زمین کے کل رقبے کے ایک تہائی حصے پر پھیلا ہوا ہے۔ وکی پیڈیا کے مطابق،

''شمال سے جنوب کی جانب بحیرہ بیرنگ سے بحرِ منجمد جنوبی کے درمیان 15 ہزار پانچ سو کلومیٹر اور مشرق میں انڈونیشیا سے لے کر کولمبیا اور پیرو تک اس کی لمبائی 19 ہزار آٹھ سو کلومیٹر ہے۔ روئے زمین پر دریافت شدہ سب سے گہرا مقام ماریانا ٹرینچ بحرالکاہل میں واقع ہے جس کی گہرائی 10 ہزار 911 میٹر (37 ہزار 797 فٹ) ہے۔ اس سمندر کی اوسط گہرائی چار ہزار تین سو میٹر (14 ہزار فٹ) ہے۔ بحرالکاہل میں تقریباً 25 ہزار جزائر ہیں جو دنیا بھر کے سمندر میں موجود کل جزیروں کی تعداد سے زیادہ ہیں۔''

25 ہزار جزائر کا مطلب ایسے پہاڑ جن کی چوٹیاں سطحِ آب سے باہر ہیں۔ یہ تعداد محققین کی بتائی ہوئی 30 ہزار سی ماؤنٹس کے علاوہ ہے جو اسی سمندر میں پُراسرار خاموشی سے ایستادہ ہیں۔ سمندر کی زمین اس مقام پر خشکی کے مقابلے میں ہزاروں فٹ نیچے ہے۔

جب کبھی آتش فشاں پھٹتا ہے، پہاڑ اوپر آتے ہیں اور پانی خشکی میں داخل ہونے سے خشک زمین سمندر بن جاتی ہے۔ زیرِ آب پہاڑ نمایاں ہوتے ہیں اور لوگ انہیں ہموار کر کے بستیاں آباد کرتے ہیں۔ پھر کسی کو یاد نہیں رہتا کہ یہ حصہ کبھی سمندر تھا۔

زمین پر سمندری مقامات ایسے بھیانک گڑھے ہیں جو زلزلہ آنے پر کسی بھی وقت ابھر جاتے ہیں اور شہر کے شہر نابود ہو جاتے ہیں۔

بڑے بڑے اور ترقی یافتہ شہر ساحل پر آباد ہیں۔ سمندر کو شہر میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے کوئی دیوار یا رکاوٹ نظر نہیں آتی مگر کچھ تو موجود ہے جس کی

وجہ سے پانی شہر میں داخل نہیں ہوتا۔

سمندر ہماری طرح جیتی جاگتی مخلوق ہے، باشعور ہے اور باحواس بھی۔ تیزی سے بہتی ہوئی لہریں ساحل پر آ کر دم کیوں توڑ دیتی ہیں ــــ؟ جس کو دم توڑنا کہتے ہیں کیا وہ ساحل پر موجود غیر مرئی رکاوٹ نہیں ہے جس سے ٹکرا کر توانائی تقسیم ہوتی ہے اور حیات سے ملنے کے لئے واپس سمندر کا رخ کرتی ہے ــــ؟

''دو سمندروں کو اس نے چھوڑ دیا کہ باہم مل جائیں پھر بھی ان کے درمیان ایک پردہ حائل ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔'' (الرحمٰن:۱۹-۲۰)

بحرالکاہل کا نقشہ کھینچنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ پہاڑ باشعور مخلوق ہیں اور کسی بھی وقت ظاہر ہو کر اس رکاوٹ کو متاثر کر سکتے ہیں جو خشکی اور آب میں حائل ہے لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ پہاڑ زیرآب ہو یا سطح زمین پر، برزخ کے قانون کے پابند ہیں ــــ جب تک کہ انہیں اٹھنے اور جگہ بدلنے کا حکم نہ ہو۔

لہریں گہرے پانی میں کم محسوس ہوتی ہیں اس لئے سمندر کی گہرائی میں سکون ہے مگر سطح پر ہوا کے سبب موجیں طوفان اٹھا رکھتی ہیں۔ جب زیرآب آتش فشاں پھٹنے سے زلزلہ آتا ہے تو توانائی کا دباؤ ہزاروں میل گہرے پانی میں سے انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ لمحوں میں سطح کا رخ کرتا ہے جس سے سو فٹ سے زیادہ اونچی لہریں اٹھتی ہیں جن کی چوڑائی سینکڑوں فٹ ہوتی ہے۔ پھر اسی رفتار سے لہریں آگے بڑھتی ہیں اور شہر کے شہر نیست و نابود کر دیتی ہیں۔ رواں صدی میں اس کی مثال 2004ء میں آنے والا سونامی ہے جس نے بالخصوص انڈونیشیا کے ساحلی علاقے سماٹرا کو ہموار کر دیا۔

پانی کو پیالے میں کھلا رکھیں تو بیکٹیریا، دیگر جراثیم اور ذرّات اس میں شامل ہوتے ہیں اور کچھ وقت کے بعد پانی ناقابل استعمال ہو جاتا ہے۔

اللہ کی قدرت دیکھئے کہ دریا کا میٹھا پانی کھلی فضا میں ہونے کے باوجود خراب نہیں ہوتا۔ تفکر کرنے والا ذہن سوچتا ہے کہ قدرت نے دریاؤں میں جراثیم سے حفاظت کا کیا نظام رکھا ہے ــــ؟

چشموں کو دیکھئے کہ اللہ نے اس کے پانی کو زمین کی تہوں میں چھپا دیا ہے۔ حفاظت دونوں مقامات پر ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چشموں کی صورت میں معدنیات سے بھرپور پانی کے دریا بہا کر ہمیں لذیذ و شیریں نعمت عطا کی ہے۔ آدمی کا بنایا ہوا قیمتی سے قیمتی مشروب پانی کا نعم البدل نہیں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''اور آسمان سے ہم نے ٹھیک حساب کے مطابق ایک خاص مقدار میں پانی اتارا اور اس کو زمین میں ٹھہرا دیا ہم اس کو جس طرح چاہیں غائب کر سکتے ہیں۔'' (المؤمنون:۱۸)

رحمٰن و رحیم اللہ تعالیٰ نے جس طرح خشک زمین پر

رزق کی فراوانی رکھی ہے اسی طرح سمندر کی مخلوقات کے لئے بھی انواع واقسام کا اہتمام ہے۔ لاشمار اقسام کی آبی حیات ایک دوسرے کی غذا ہیں۔ پانی ہمیشہ زیروزبر ہوتا رہتا ہے۔ کبھی گرم پانی اوپر آتا ہے اور کبھی ٹھنڈا۔ پانی کی گردش سے گیسوں اور حیات کے لئے ضروری دیگر عناصر کا تبادلہ ہوتا ہے۔

''کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے، اللہ ان کو رزق دیتا ہے اور تمہارا رازق بھی وہی ہے، وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔'' (العنکبوت:۶۰)

زمین کے تین حصے پانی میں اور ایک حصے پر پانی خشک ہے۔ تخلیق پر پانی غالب ہے۔ فضائے بسیط بھی پانی کے علاوہ کچھ نہیں۔ پانی لباس بدل کر بخارات کی شکل میں بادلوں تک پھیلا ہوا ہے۔ کہا جائے کہ مچھلیوں کی طرح ہم بھی پانی کی مخلوق ہیں تو غلط نہیں۔ زندگی پانی سے شروع ہوتی ہے، اسی پر قائم رہتی ہے اور بخارات بن کر تحلیل ہوجاتی ہے۔

زمین وآسمان کی تخلیق میں دو اشیا کا نمایاں کردار ہے ان میں سے ایک دخان اور دوسرا پانی ہے۔ دخان کا ترجمہ سائنس نے دھواں کیا ہے۔ روحانیت اس راز کو راز رہنے دیتی ہے اور ان الفاظ میں بیان کرتی ہے جسے صرف ''مقربین'' سمجھتے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے،

''پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت محض دھواں تھا۔ اس نے آسمان اور زمین سے کہا، وجود میں آجاؤ خواہ تم چاہو یا نہ چاہو۔ دونوں نے کہا ہم آگئے فرماں برداروں کی طرح۔'' (حٰمٓ السجدۃ:۱۱)

جب یہ دنیا فنا ہوگی تو ایک مرتبہ پھر فضا دخان سے بھر جائے گی۔ فرمان الٰہی ہے کہ،

''اچھا انتظار کرو اس دن کا جب آسمان صریح دھواں لئے ہوئے آئے گا۔'' (الدُّخان: ۱۰)

دھواں گیس کا مجموعہ ہے اور گیس ہمیں پانی تک لے آتی ہے۔ ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ نے پانی کو تصورات کا خول بتایا ہے۔ پانی کی حقیقت ہمیں تصورات سے متعارف کراتی ہے اور تصورات روشنی کا اسکرین سے ٹکرانے کے بعد مظہر بنتا ہے۔ یعنی ظاہر میں پانی باطن میں روشنی ہے۔ کائنات پر ایک وقت ایسا گزر چکا ہے جب ہر طرف پانی تھا۔

تخلیق سے متعلق خالق کائنات کا فرمان ہے،

''اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ جب کہ اس سے پہلے اس کا عرش پانی پر تھا۔'' (ھود:۷)

تکوین کائنات سے متعلق یہ ارشاد بھی ہے،

''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔'' (النور:۳۵)

ان آیات پر علیحدہ اور پھر انہیں ایک دوسرے کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی جائے تو نور، دخان اور پانی کا تعلق سمجھ میں آجاتا ہے۔

خواجہ شمس الدین عظیمی

پیراسائیکالوجی سے مسائل کا حل

سمندری پانی

س۔م (کراچی): پیراسائیکالوجی کا کالم پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ اس کی تھیوری کس قدر وسیع ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزا عطا فرمائے، آمین۔

مجھے بچپن سے نزلے کا مرض ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ ناک میں سوجن ہے، علاج صرف احتیاط ہے۔ ایک ناک مستقل بند رہتی ہے۔ چند مہینے سے گلے میں اسی ناک کی طرف بلغم محسوس ہوتا ہے جیسے نزلہ باہر نہیں حلق میں گر رہا ہو۔ صبح اٹھ کر لگتا ہے حلق پر پردہ آ گیا ہے۔ دھول، تیز خوش بو، موسم کی تبدیلی — ٹھنڈے ماحول سے گرم اور گرم سے ٹھنڈے میں آنے سے چھینکیں آتی ہیں اور آنکھ سے پانی بہتا ہے۔

ناک بند ہونے سے سانس لینے میں مشکل ہوتی ہے۔ میں ایک طرف سے سانس لیتی ہوں۔ کسی بات سے پریشانی ہو تو سانس کا ردھم متاثر ہوتا ہے، ایک طرف سے کھینچ کر سانس لینے سے گھبراہٹ طاری ہوتی ہے اور اعصاب کم زور محسوس ہوتے ہیں۔

جواب: سمندری پانی منہ بند کر کے ناک کے ذریعے گہرا سانس لے کر اندر لیں اور منہ سے نکال دیں۔ یہ عمل صبح طلوع آفتاب کے وقت تین مرتبہ کریں۔ یہی عمل رات کو سوتے وقت پانچ مرتبہ کریں۔ انشاء اللہ ناک کے اندر موجود غدود سے نجات مل جائے گی۔ ٹھنڈے پانی اور مشروبات، ٹھنڈی چیزیں اور غذاؤں سے گریز کریں۔ انشاء اللہ 21 روز میں غدود کا علاج ہو جائے گا۔

جلترنگ

وریشہ مقصود (رحیم یار خان): شادی شدہ ہوں، اللہ نے اولاد کی نعمت اور زندگی کا ہر سکھ عطا کیا ہے۔ ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔ صوم وصلوٰۃ کی پابند ہوں مگر سکون سے محروم ہوں۔ وجہ کوئی اور نہیں میں خود ہوں۔ مجھے علم ہے کہ یہ خط شائع ہوگا مگر اقرار کرنے میں عار نہیں کہ ناخوشی کی وجہ میری اپنی عادتیں ہیں۔ حسد، غصہ اور بغض کی بیماری ہے۔ چاہے اپنا ہو یا بیگانہ، دوسروں کی خوشی اور تعریف برداشت نہیں ہوتی۔

چغل خوری کی وجہ سے گھر اور باہر والے مجھ سے احتیاط کرتے ہیں۔ میں لوگوں کے درمیان اکیلی ہوں۔ ہنسی مذاق نہیں کر سکتی، مجھے معمولی بات بری لگتی ہے۔ موت کی خبر پر خوشی ہوتی ہے۔ کوئی آواز دیتا ہے تو دھڑکن تیز ہو جاتی ہے۔ ایسے خیالات ہیں کہ اللہ مجھے معاف کرے۔ خدارا مجھے اذیت سے نجات دلائیں

اور میری راہ نمائی کریں۔

جواب: صبح اندھیرے میں اور رات کو سوتے وقت اسٹین لیس اسٹیل کا پیالہ چمچے سے بجائیں۔اس پیالے پر تھوڑا سا پانی بھی ڈال لیا کریں۔چمچے سے جلترنگ کا ساز روزانہ دونوں وقت دس دس منٹ تک سنیں۔جس وقت آپ یہ ساز بجائیں،آپ کے علاوہ کمرے میں کوئی نہ ہو۔سونے سے پہلے کھلے آسمان کے نیچے لیٹ کر ستارے دیکھا کریں۔ستارے دیکھتے وقت گردن گھماتی رہیں،ایک جگہ ٹکٹکی باندھ کر نہ دیکھیں۔

عمل کی مدت 90 روز ہے۔

جگمگ ستارے

حمیرا فاروق (کراچی): دس سال شوہر کے پاس قطر میں رہی۔انہوں نے معاشی ذمہ داریاں پوری کیں مگر میں جس ذہنی وجسمانی تشدد سے گزری ہوں، لکھتے ہوئے ہاتھ کانپتے ہیں۔وہ غصے کے بہت تیز ہیں۔کسی بھی بات پر غصہ آجاتا،اول فول کہتے،گالیاں دیتے اور مار پیٹ کرتے تھے۔میرے بچوں نے یہ سب دیکھا۔ ہر ممکن کوشش کی کہ گھر بنا رہے، پاکستان میں کسی کو خبر نہیں کی۔بڑے بیٹے میں باپ کی عادتیں آنے لگیں تو احساس ہوا شوہر کے ساتھ رہ کر بچوں کی تربیت نہیں ہوسکتی۔پاکستان آئی،گھر والوں نے ساتھ دیا، میں نے خلع لے لی۔بچے اب باادب ہوگئے ہیں لیکن باپ کی کمی محسوس کرتے ہیں۔وہ باقاعدگی سے خرچہ بھیجتے ہیں۔فون پر بچوں کے سلسلے میں بات ہوئی تو نارمل بات کرتے ہوئے پرانی روش پر آگئے۔کہتے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا مجھے کیا ہوجاتا ہے۔وہ چاہتے ہیں کہ میں واپس آجاؤں۔جانتی ہوں کہ بچوں کو باپ کی ضرورت ہے مگر میں واپس کیسے جاؤں؟ باپ کے ساتھ رہ کر بچوں کی تربیت ممکن نہیں ہے۔میں چاہتی ہوں کہ شوہر کا رویہ بدل جائے۔

جواب: ٹیلیفون پر ان سے کہیں کہ رات کو جب ستارے جگمگ کرتے ہوں آسمان کو دیکھیں۔کوشش کریں کہ آسمان کو دیکھتے وقت پلک نہ جھپکے۔پلک جھپک جائے تو دوبارہ آسمان کو دیکھیں اور ستاروں کو شمار کریں۔کیوں کہ مشق نہیں ہے پلک پھر جھپک جائے گی۔بے ہمت نہ ہوں۔آنکھیں کھول کر ستاروں کو دیکھیں۔اور جس طرح پہلے ستاروں کو سیدھی طرف (کلاک وائز) دیکھا تھا،اب الٹی طرف (اینٹی کلاک وائز) سے دیکھیں۔ایک چکر مکمل ہونے پر دیکھیں کہ پہلے سے کتنے زیادہ ستارے شمار میں آئے۔پانچ سے سات منٹ یہ عمل کریں۔لیکن شہر سے باہر جہاں بجلی کی چکاچوند نہ ہو وہاں یہ عمل شمال رخ کی طرف کرکے کیا جائے۔21 روز کے بعد مزاج کی تبدیلی سے وہ آپ کو آگاہ کریں اور آپ ''ماہنامہ قلندر شعور'' کو لکھیں۔

امید

خ۔م (سیالکوٹ): میری عمر 35 سال ہے۔قد پانچ فٹ اور خاندان میں سب سے چھوٹا ہے۔بعض لوگ باتوں کے دوران اظہار کردیتے ہیں۔بے حسی

کیوں ہے؟ ایک بار کسی کو غصے میں جواب دے دیا تھا کہ اللہ نے مجھے ایسا بنایا ہے کیا آپ اللہ کی تخلیق میں نقص نکال رہے ہیں؟ اس کے بعد ان صاحب نے مذاق نہیں اڑایا۔ ان کو تو جواب دے دیا مگر میں اندر سے مطمئن نہیں ہوں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے خوش شکل بنایا ہے۔ یہ کسی کو نظر نہیں آتا۔ سب میرے قد کو کیوں دیکھتے ہیں—؟ گزارش ہے ایسا علاج تجویز کریں کہ قد دو تین انچ بڑھ جائے یا پھر میں احساس کم تری سے نکل آؤں۔ سائنس کہتی ہے کہ اٹھارہ بیس سال کے بعد قد نہیں بڑھتا۔ میں نے آپ کی تحریروں میں پڑھا ہے کہ جسم ہر لمحہ گھٹنے بڑھنے کے مرحلے سے گزرتا ہے۔ تحریر پڑھ کر امید بندھی کہ پیراسائیکالوجی کا علم عمر کا پابند نہیں ہے، میرا قد بڑھ سکتا ہے۔

جواب: آپ کا قد چھوٹا نہیں، مناسب ہے۔ پانچ فٹ تین انچ اچھا قد شمار ہوتا ہے۔ آپ ایسا کریں کہ سوتے وقت پیر — سر سے چھ (6) انچ اونچا رکھیں اور اسی حالت میں سو جائیں۔ کچھ عرصے بعد نو (9) انچ کر دیں۔ آپ خود سوچئے کہ ایک دن کا بچہ جب پانچ سال کا ہوتا ہے تو بچہ گھٹنے کے عمل سے گزر کر بڑھتا ہے۔ اس کی مثال چھ مہینے کے بچے اور 60 سال کے بوڑھے آدمی سے ظاہر ہوتی ہے۔ پیاری بیٹی! بوڑھے آدمی کا قد وہ نہیں رہتا جو 20 سال کی عمر میں تھا۔

دائرے

عبدالرزاق (چترال): بیٹا آٹھ ماہ کا ہے۔ پیدائش کے پانچ ماہ تک روتا بہت تھا۔ کسی ڈاکٹر نے پیٹ کی دوا

ماہنامہ قلندر شعور نومبر 2019ء

پیراسائیکالوجی
(Parapsychology)

اماں کا نام: ..... سائل کا نام: .....

تاریخ اور وقت پیدائش: ..... تعلیم: ..... ازدواجی حیثیت: .....

جاگنے کا دورانیہ: ..... سانس کا دورانیہ کتنے سیکنڈ ہے: .....

کھانا پیٹ بھر کے کھاتے ہیں یا بھوک رکھ کر: ..... نمک زیادہ پسند ہے یا مٹھاس: .....

خیالات میں حقیقت پسندی ہے یا الوژن: ..... دستخط: .....

خط و کتابت کا پتہ: .....

..... رابطہ نمبر: .....

دی کسی نے کان میں درد بتایا مگر تکلیف دور نہیں ہوئی۔ پھر ماہر امراض طفل کے پاس لے گئے۔ علاج سے رونا کم ہوگیا ہے مگر بیٹا بیٹھ نہیں سکتا۔ بازو اور پیرا کثر اکڑے رہتے ہیں۔آواز پر متوجہ ہوتا ہے نہ کوئی چیز دکھانے پر ردعمل ظاہر کرتا ہے۔جب تک ٹانگوں اور پیٹ پر تکیہ نہ رکھ دیں، ساری رات بے چین رہتا ہے۔ ایک ماہر طفل کا کہنا ہے کہ دماغ کے خلیات کم زور ہیں، پیدائش کے بعد آکسیجن کم ملی ہے۔کوئی کہتا ہے کہ دماغ بخار کی وجہ سے متاثر ہوا ہے۔سمجھ میں نہیں آتا کس کی بات کا اعتبار کریں۔مہربانی کر کے علاج بتائیں کہ میرا بیٹا ذہنی معذوری سے بچ جائے۔

جواب: آپ بچے کو رات کے وقت نیلی شعاعوں میں لٹائیں اور کمرے میں ساری رات نیلا بلب روشن رکھیں۔ پیرا سائیکالوجی کے علاج کے طریقے پر بچے کا بڑا فوٹو 12 x 10 انچ کا بنوا کر گتّے یا ہارڈ بورڈ پر رکھ کر چاروں کونوں میں پن لگا دیں تا کہ فوٹو اپنی جگہ سے نہ ہلے۔بچہ جب رات کو گہری نیند سو جائے تو اس فوٹو کے اوپر سیاہ رنگ کی پنسل سے اینٹی کلاک وائز دائرے بنائیں اور گھڑی دیکھ کر روزانہ دس منٹ تک دائرے بناتے رہیں، دائرے کے اوپر دائرے آجائیں تو حرج نہیں۔فوٹو بالکل سیاہ ہوجائے تو بھی فرق نہیں پڑے گا۔اگر فوٹو کے اوپر خراش آجائے یا فوٹو پھٹ جائے تو نیا فوٹو بنوانا ہوگا۔علاج کی مدت 160 روز ہے۔ دوران علاج شہد اور سوتے وقت عمدہ قسم کی ایک کھجور کھلاتے رہیں۔

بھاری پتھر: پہاڑی علاقے میں عبادت گاہ تھی جسے ایک عابد نے روشن کیا ہوا تھا۔چار مسافر پہاڑی مقامات کی سیر کے دوران اس طرف آنکلے، انہیں غار میں روشنی نظر آئی۔سردیوں کے دن تھے، وہ تجسس اور امید کے ساتھ آگے بڑھے کہ کوئی مدد مل جائے۔اندر ایک شخص کو عبادت میں محو دیکھا تو معذرت کرتے ہوئے پکارا کہ مسافر آئے ہیں۔عبادت گزار آواز کی طرف متوجہ ہوا۔انہوں نے بتایا کہ وہ سیاحت کے لئے آئے ہیں، سردی ہے کچھ دیر ٹھہر کر آگ کے پاس بیٹھنا چاہتے ہیں۔عبادت گزار نے انہیں خوش آمدید کہا۔مسافر بیٹھے اور آہستہ آواز میں بات چیت میں مشغول ہوگئے۔وہ داخلیت اور خارجیت کے موضوع پر بحث کر رہے تھے۔تھوڑی دیر بعد عبادت گزار گفتگو میں شریک ہوا اور پوچھا، تم نے غار کے دہانے پر بڑا پتھر دیکھا، بتاؤ تم اس پتھر کو اپنے اندر قیاس کرتے ہو یا باہر؟ وہ سب متفق تھے کہ چیزیں ذہن کی تشکیل ہیں اس لئے یہ پتھر ہمارے اندر ہے۔ عبادت گزار بولا، پھر تو تمہارا سر بہت بھاری محسوس ہوتا ہوگا اگر تم اتنا بڑا پتھر اپنے اندر لئے گھوم رہے ہو!

قارئین خواتین وحضرات! خط کشیدہ الفاظ سے آپ کیا سمجھے ــــ؟

سمندر کی طرح کھلا ذہن

درویش بولا، بہت اچھا۔ اب گھر جاؤ اور اس وقت واپس آنا جب تمہیں اللہ کی بھی اتنی ہی ضرورت ہو جتنی پانی میں ہوا کی تھی۔

اندر کی دنیا سے واقف مردِ دانا کے پاس ایک پروفیسر صاحب آئے اور عرض کیا کہ باطنی علوم حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔

مردِ دانا نے خادم کو مہمان کے لئے چائے لانے کا اشارہ کیا۔ چائے آئی تو انہوں نے خود چائے دانی سے پیالے میں چائے ڈالی اور ڈالتے چلے گئے۔ پیالہ بھر گیا مگر وہ نہیں رکے۔ چائے پیالے سے گر کر چٹائی پر بہہ گئی۔

پروفیسر صاحب حیرانی سے دیکھتے رہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ جب خود کو روک نہ سکے تو کہا، جناب! پیالہ بھر گیا ہے مزید چائے کی گنجائش نہیں۔

دانا نے کہا، میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس کپ کی طرح تم بھی اپنے نظریات اور قیاسات سے بھرے ہوئے ہو۔ تمہیں باطنی علم سے کیسے واقف کرا سکتا ہوں جب تک کہ تم خود کو خالی نہیں کر لیتے ــــ؟

ذہن خالی کرنے کی مشق کو تصوف میں مراقبہ کہتے ہیں۔ مراقبہ ذہنی یکسوئی کی کلید ہے۔ بندہ ذہن کو ایک نقطے پر یکسو کرتا ہے، خیالات آتے ہیں اور آتے جاتے رہتے ہیں۔ ابتدا میں ذہن خیالات کی رو میں بہتا ہے مگر اندر میں آواز بار بار نقطے کی طرف لے آتی ہے۔ ایک وقت کے بعد بندہ خیالات کی رو میں نہیں بہتا بلکہ سارے خیال مل کر تصویر مکمل کرتے ہیں یہاں تک کہ دائرہ بن جاتا ہے۔

مفہوم یہ ہے کہ جب ذہن ادھر ادھر کے خیالات پر نہ رکے، انہیں گزرنے دے تو اندر موجود منتشر کرنے والا ذخیرہ خالی ہوتا ہے۔ ذہن خالی ہونے سے خیال آنا نہیں رکتا بلکہ ہر خیال اس ایک خیال سے منسلک ہو جاتا ہے جس کی طرف قدرت اسے متوجہ کرنا چاہتی ہے ــــ اور وہ خیال خالق کائنات اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہے۔

''بڑے بزرگ کہتے ہیں کہ اچھا مسافر وہ ہے جو راستے کے بارے میں پہلے سے تصورات اور توقعات قائم نہیں کرتا کہ وہ کیا کچھ دیکھے گا اور کن مسائل سے

گزرے گا۔ وہ جانتا ہے کہ راستے کے مناظر منزل نہیں ہیں البتہ ان مناظر سے گزر کر منزل آئے گی۔ وہ سفر کا سب سے اہم نکتہ یاد رکھتا ہے ـــ سمندر کی طرح گہرا اور کھلا ذہن۔''

مراقبہ ایسی سیڑھی ہے جو الوژن سے حقیقت اور تکلیف سے سکون تک لے جاتی ہے۔ ہر صوفی نے یہ راستہ طے کیا ہے، ناواقف جلد یا بدیر اس طرف آتا ہے اور جو واقف ہے وہ اس سیڑھی کے ذریعے اس در تک پہنچ جاتا ہے جہاں سے راستے کھلتے ہیں۔

یکسو ہونے کی مشق سب کو ہے مگر ہر فرد توجہ اور دلچسپی کی مناسبت سے ذہن مخصوص شے پر مرکوز کرتا ہے۔ کیا طالب علم یک سو ہوئے بغیر اسکول اور کالج کے بعد یونی ورسٹی سے فارغ التحصیل ہوسکتا ہے ـــ؟

تاجر دن رات سوچتا ہے کہ تجارت کیسے بڑھے؟ سامنے جو چیز آتی ہے، غیر ارادی طور پر ذہن متحرک ہوجاتا ہے کہ میں اس چیز سے کیا کام لے سکتا ہوں۔ کیا یہ یکسوئی نہیں ہے ـــ؟

ماں کی سوچ کا محور بچے ہیں۔ اس کی مصروفیات اور سرگرمیاں بچوں کے گرد گھومتی ہیں۔ بچوں کے لئے ماں کی محبت کو یکسوئی کے علاوہ دوسرا نام نہیں دیا جاسکتا۔

قارئین! آپ کیا سمجھے؟

پرانے وقتوں کی بات ہے۔ ایک شخص آدھی رات کو دریا کنارے کچھ وقت گزارتا تھا۔ وہ اس دوران اندر کی دنیا پر غور کرتا تھا۔ اس شخص کو ایک چوکیدار روز اپنے بنگلے کے سامنے سے گزرتا دیکھتا تو تعجب ہوتا کہ آخر یہ باقاعدگی سے جاتا کہاں ہے۔

ایک روز چوکیدار سے صبر نہ ہوسکا، مسافر کو روکا اور پوچھا! آپ روز رات کے اس پہر جب دنیا خواب غفلت میں ہوتی ہے، کہاں جاتے ہیں ـــ؟

مسافر نے کہا، میں جانتا ہوں کہ تم میری آمد و رفت سے واقف ہو۔ میں دریا کنارے جاتا ہوں۔

چوکیدار: وہاں کیا کرتے ہیں؟

مسافر: کسی کو دیکھتا ہوں۔

چوکیدار: کیا دیکھتے ہو؟

مسافر: اندر میں خزانے!

چوکیدار: میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔

مسافر: اچھا یہ بتاؤ! تم کیا کرتے ہو؟

میں watchman (چوکیدار) ہوں۔

مسافر نے کہا، بھائی میں بھی واچ مین ہوں۔ فرق یہ ہے کہ میں اندر کی کھوج میں ہوں اور تم باہر دیکھ رہے ہو۔ دیکھنے کی مشق ہم دونوں کو ہے البتہ تمہیں سمت بدلنے کی ضرورت ہے۔

یکسوئی کی مشق کے بغیر ماورائی کیفیات کا مشاہدہ ہوتا ہے نہ حقیقی سکون میسر آتا ہے۔ ملاوٹ سے پاک خوشیاں اور لاتناہیت ایسے لوگوں سے مخفی رہتی ہے۔ مراقبہ ہزاروں خیالات کو ایک طرف کر کے ایک خیال میں مرکوز ہونا ہے۔ آنکھ کے ڈیلے جس شے پر ٹھہرے ہیں، وہ کھلتی ہے، فہم میں اضافہ ہوتا ہے اور انسیت محسوس ہوتی ہے۔ جس چیز پر آنکھ کا تل رکتا ہے اس کا عکس اندر میں گہرا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ فرد شے کے دیکھنے کو دیکھتا ہے ورنہ نہیں دیکھتا۔

فرد کی توجہ کھوٹ، ملاوٹ اور خود غرضی پر مرکوز ہو تو کھوٹ تصویر بن جاتی ہے۔ اور دیکھنے والا کیا دیکھتا ہے — ؟ کھوٹ کے برعکس سوچ کا محور پاکیزگی اور مخلوق کی بھلائی ہے۔

ہم خاموش لمحات یا شوریدہ اوقات میں جس کے بارے میں شدت سے سوچتے ہیں وہی دلچسپی کا مرکز ہوتا ہے۔ سوچ کا سفر دراصل زندگی کا سفر ہے لہٰذا لمحات کا محاسبہ کر کے فرد جان سکتا ہے کہ وہ کس راستے پر چل رہا ہے۔

ایک درویش دریا کنارے مراقبہ کر رہا تھا۔ نوجوان مشق میں حائل ہوا اور بولا، صاحب! آپ کا شاگرد بننا چاہتا ہوں۔ پوچھا، شاگرد کیوں بننا چاہتے ہو؟

نوجوان نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا، اللہ سے واقف ہونا چاہتا ہوں۔

درویش نشست سے اٹھا، نوجوان کو گدی سے پکڑ کر دریا کی طرف لے گیا اور اس کا سر پانی میں ڈبو دیا۔ اس نے خوب ہاتھ پیر مارے لیکن بے بس رہا۔

ایک منٹ کے بعد درویش نے سر پانی سے نکالا۔

نوجوان کی حالت خراب تھی۔

طبیعت کسی حد تک سنبھلی تو درویش نے پوچھا، برخوردار! بتاؤ جب تمہارا سر پانی میں تھا تو تم نے سب سے زیادہ کس شے کی طلب کی — ؟

نوجوان نے فوراً کہا — ہوا۔

درویش بولا، بہت اچھا۔ اب گھر جاؤ اور اس وقت واپس آنا جب تمہیں اللہ کی بھی اتنی ہی ضرورت ہو جتنی پانی میں ہوا کی تھی۔

مراقبہ یکسوئی کی مشق اور روحانی بالیدگی کا سفر ہے۔ تمام پیغمبران کرام اور اولیا اللہ کی طرز فکر کا محور — اعلیٰ ذات اللہ رب العالمین ہے۔ ان ہستیوں کی حیات کا مطالعہ کریں تو سب نے مخلوق کو اللہ سے قربت کی راہ دکھائی۔ مقرب بارگاہ ہستیوں کا ذہن اللہ کی ذات و صفات میں یکسو ہے اس لئے ان کی تعلیمات پر عمل کرنے والے کے اندر سکون کی لہریں دوڑتی ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ،

''اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کرو اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو۔'' (المزمل: ۸)

ذہن کو تغیر سے خالی کرنے کے لئے اس ہستی کی

ذات وصفات میں یکسو ہو جاؤ جو تغیر سے پاک ہے۔

کتاب ''اللہ کے محبوبؐ'' میں لکھا ہے،

''سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نبوت سے پہلے غار حرا میں تشریف لے جاتے تھے۔ آپؐ وہاں کئی کئی دن قیام فرماتے اور اپنے ساتھ خورد و نوش کا سامان لے جاتے تھے۔ یہ سلسلہ جاری رہتا تھا۔ حضرت محمدؐ بعثت سے قبل پانچ سال تک رمضان المبارک میں غار حرا میں قیام فرماتے رہے۔ آپؐ وہاں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور و فکر فرماتے تھے:

★ کائنات کیسے تخلیق ہوئی؟

★ آسمان، سورج، چاند اور زمین کیا ہے؟

★ انسان کی حقیقت کیا ہے؟

★ کائنات اور انسان کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟

★ آدمی پیدا کیوں ہوتا ہے اور مر کیوں جاتا ہے؟

ان امور پر غور و فکر اور ان کے اندر کارفرما اللہ تعالیٰ کے انوار کا عرفان حاصل کرنا غار حرا کی سنت ہے۔

غار حرا جبل نور میں واقع ہے۔ یہ بڑی پُرمسرت حیرت انگیز بات ہے کہ عربی میں حرا ریسرچ یا تحقیق کو کہتے ہیں جب کہ جبل نور کا مطلب روشنی کا پہاڑ ہے اور پہاڑ سے مراد لامحدود وسعت ہے۔ اس طرح جبل نور میں غار حرا تشریف لے جانے کا مطلب یہ ہوا کہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غار حرا میں لامحدود روشنی تلاش کرنے اور اللہ کی نشانیوں پر غور کرنے کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔''

حضرت داؤدؑ پر نازل کتاب ''زبور'' میں ہے،

''اور اس کی شریعت پر دن رات اس کا دھیان رہتا ہے۔'' (زبور: باب ۱۔ آیت ۱)

انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں لکھا ہے،

''اور صبح دن نکلنے سے بہت پہلے وہ اٹھ کر نکلا اور سنسان جگہ پر گیا اور وہاں عبادت کی۔''

(مرقس: باب ۱۔ آیت ۳۵)

مراقبہ کا مقصد تغیر کا ترک ہے۔ بندہ اندھیرے کمرے میں آرام دہ نشست اختیار کر کے بند آنکھوں سے اندر کی دنیا پر دھیان دیتا ہے۔ اس پر منکشف ہوتا ہے کہ اندر میں حواس ایک نقطے میں ہیں یعنی،

جس کو سماعت کہتے ہیں، وہی بصارت ہے۔

جسے بصارت کہتے ہیں وہی فہم ہے۔

جس کا نام فہم ہے وہ احساس ہے۔

جسے محسوس کرنا سمجھتے ہیں وہی گویائی ہے

اور گویائی ـــ سماعت ہے۔

ایک دائرہ ہے حواس کا۔ حرکت سماعت سے شروع ہو کر سماعت پر آتی ہے اور دائرہ خود کو دہراتا ہے۔

باطن میں وقت لگانے سے حواس خمسہ پر ضرب پڑتی ہے اور پھر ایک وقت کے بعد مفہوم سماعت کے درجے میں ہی کھل جاتا ہے۔ اس مقام پر پہنچنے کے لئے ذہن میں ٹھہراؤ پیدا کرنے کی مشق کی جاتی ہے کیوں کہ عکس ہمیشہ ٹھہرے ہوئے پانی میں نظر آتا ہے۔

چار دوستوں نے فیصلہ کیا کہ وہ سات دن تک

خاموشی اختیار کرتے ہوئے کوئی بات نہیں کریں گے۔ پہلا دن خاموش گزارا۔ مراقبہ کامیاب جا رہا تھا کہ رات آئی اور چراغ گل ہونے لگے۔

ایک دوست نے بے ساختہ خادم سے کہا کہ چراغ کی روشنی مدہم نہ ہو۔

دوسرے نے تعجب سے پہلے کو بات کرتا ہوا دیکھا تو کہا، ہمیں تو بات نہیں کرنی، ایک لفظ نہیں کہنا ہے۔

تیسرے نے کہا، تم دونوں احمق ہو۔ بات کیوں کی؟

چوتھا دوست بولا، میں واحد ہوں جس نے اب تک کچھ نہیں کہا۔

غور کریں ان دوستوں کے ساتھ ہوا کیا؟

ان کی زبان خاموش تھی مگر ذہن شور کر رہا تھا اس لئے چوبیس گھنٹے سے پہلے چپ کا روزہ ٹوٹ گیا۔

زبان کی خاموشی ذہن و دل کی خاموشی پر منحصر ہے۔ ان کو پہلے دل کی خاموشی پر دھیان دینا تھا کیوں کہ جب دل خاموش ہوتا ہے تو ــــ؟

مراقبہ تلاش کرنے کا عمل ہے جو دل پر سے پرتوں کو کھول کر ان خامیوں کو دور کرتا ہے جن کو ہم نے برسوں نقش کیا ہے۔ گرد صاف ہونے پر منظر واضح ہوتا ہے، دل میں دروازہ کھلتا ہے اور وہ روشنی مشاہدہ بنتی ہے جس سے عالمین کی اسکرینوں پر فلم نشر ہو رہی ہے۔

مراقبہ خیال کی دنیا کی حقیقت بتاتا ہے۔ ذہن یکسو ہونے سے خیالات کو خالص قبول کرنے کی فریکوئنسی بڑھتی ہے۔ آدمی اگر اپنی تحریکات پر غور کرے تو وہ خبر کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہی خبر ــــ نظر ہے۔

عاشق رسولؐ ــــ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں،

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں
ہر اک مقام سے آگے مقام ہے ترا
حیات ذوق سفر کے سوا کچھ اور نہیں
گراں بہا ہے تو حفظ خودی سے ہے ورنہ
گہر میں آبِ گہر کے سوا کچھ اور نہیں

روحانی بیداری جسمانی و ذہنی طور پر بیدار ہونا ہے۔ حقیقی علم سست و کاہل لوگوں کو میسر نہیں آتا۔ جو شخص صبح کی قیمتی اور پُرسکون ساعت ضائع کرتا ہے وہ پورا دن کھو دیتا ہے۔ پرواز کے لئے بیدار شعور تاریکی سے نکلنے کی کوشش کرے تو وہ ستاروں کے چھپنے سے پہلے جاگ جاتا ہے۔ ان پاکیزہ نفس ہستیوں کے لئے کسی نے کہا ہے،

اونچائی کو عظیم لوگوں نے پایا ہے
اور یہ پرواز اچانک نہیں ہوتی۔
جب ان کے ساتھی سو رہے ہوتے ہیں
تو اس وقت یہ لوگ جاگ کر مجاہدہ کرتے ہیں۔

رب سے واقف ہونے کا راستہ خود سے واقف ہونا ہے اور یہ تغیر سے ذہن ہٹائے بغیر ممکن نہیں۔ ہر عبادت اور عمل یکسوئی کا متقاضی ہے ورنہ مقصد ادھورا رہ جاتا

ہے اس لئے مراقبہ کی مشق کر کے،
ہم نماز میں یکسو ہو سکتے ہیں،
روزہ میں تغیر کا ترک کر سکتے ہیں اور
حج کی باطنی حقیقت سے واقف ہو سکتے ہیں۔

مادی دنیا کا دبیز پردہ حقیقت سے واقف نگاہ کے لئے باریک ہے۔ قدم حقیقت کی تلاش میں اٹھتے ہیں تو مادی شعور کے خول میں ٹوٹ پھوٹ شروع ہو جاتی ہے اور پھر ثابت قدمی اور مسلسل مشق سے خول ٹوٹ جاتا ہے اور روحانی دنیا سامنے آتی ہے۔

یہاں کوئی شے ایک حالت میں نہیں ہے اس لئے ذہن اس ہستی کی طرف مرکوز کر دیں جو ہر حالت میں ایک ہے۔ پھر آپ تغیر سے پریشان نہیں ہوں گے اور آپ اس ہستی میں قیام کریں گے جس میں تغیر نہیں ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں،

''جو لوگ مجھ میں جدوجہد کرتے ہیں میں ان کے لئے اپنی راہیں کھول دیتا ہوں۔'' (العنکبوت: ۶۹)

دن کے ایک حصے کو مراقبہ کے لئے مختص کریں۔ بہترین وقت صبح کا ہے جب ہر شے پر سکون چھایا ہوتا ہے۔ دانا کہتے ہیں کہ،

''اگر تم خوف و غم سے آزاد ہونا اور
اس خوب صورتی سے مسرور ہونا چاہتے ہو
جس کے لئے عبادت و ریاضت کرتے ہو
تو علم کی حکمت سے آگاہ ہو جاؤ۔''
آگاہی کا راستہ مراقبہ ہے۔

آفتاب و ماہتاب

سلطان العارفین حضرت باہوؒ فرماتے ہیں کہ مراقبہ محبت الٰہی کا نام ہے جو بندے کو مرنے کے بعد کی دنیا کے حواس سے متعارف کراتا ہے۔ صاحب مراقبہ — صاحب اسرار ہوتا ہے اور اولیاء اللہ کی زیارت سے مشرف ہوتا ہے۔ مراقبہ سے بندے پر اسرار کھلتے ہیں اور معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔

مراقبہ ایسا ہونا چاہئے جس طرح آفتاب کہ جب طلوع ہوتا ہے تو ایک سرے سے دوسرے سرے تک زمین اور آسمان کو روشن کر دیتا ہے — اور ماہتاب کہ اس کی روشنی سے تمام عالم جگمگاتا ہے اور دوسرے ستاروں کی روشنی اس کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے۔ صاحب مراقبہ کا بھی یہی حال ہے کہ جب وہ اپنی آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھتا ہے تو تمام چیزیں سوختہ ہو جاتی ہیں اور پھر اس کے اور حقیقت کے درمیان حجاب نہیں رہتا۔

جو شخص مراقبہ میں دنیاوی معاملات، جاہ و مال، زر و سیم دیکھے تو وہ جان لے کہ یہ مراقبہ حیوانی مقام ناسوت سے ہے اور ابھی ایسا شخص فریب دنیا میں مبتلا ہے اور اسی کے بیاباں میں پڑا ہوا ہے۔

اور جو شخص مراقبہ میں باغ و باغیچہ اور آب و دریا و سبزۂ بہار، مکانات، محلات بلند و بالا اور حور و قصور مثل بہشت کے دیکھے تو سمجھ لیں کہ ابھی اس کے دل پر میل و کثافت ہے اور دل کا زنگ دور نہیں ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو ابھی تک اصل ذکر سلطانی حاصل نہیں ہوا۔ قلب کی صفائی مرشد کامل کی نظر کرم کے بغیر نہیں ہوتی۔

محمد عاصم بیگ

تو ہے محیط بیکراں میں ہوں ذرا سی آب جُو

اردو زبان کے بنیادی حروف الف، ب، پ ہیں اور انگریزی کے A,B,C ہیں۔ اردو میں ''ب'' کا تذکرہ اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک پہلے ''الف'' نہ پڑھ لیا جائے۔ ''الف'' باقی تمام حروف کی بنیاد ہوئی۔ اردو زبان سے ''الف'' نکال دیا جائے تو اس زبان کی عمارت ڈھیر ہو جائے گی۔

کائنات کی ابتدا سے متعلق دانش وروں کی مختلف آراء ہیں۔ سائنسی نظریات ''بگ بینگ'' تھیوری کے گرد گھومتے ہیں جب کہ آفاقی مذاہب اور الہامی کتابوں میں خالق کائنات اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اللہ کے حکم ''کُن'' سے کائنات عالم وجود میں آئی۔

قرآن کریم میں ہے۔

''اس کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو، وہ ہو جاتی ہے۔'' (یٰسٓ: ۸۲)

تخلیق کی ابتدا سے متعلق ارشاد ہے،

''اور وہی ہے جس نے تمہیں نفس واحدہ سے پیدا کیا۔ پھر ایک جائے اقامت اور ایک جائے امانت۔ بے شک ہم نے سمجھنے والے لوگوں کے لئے نشانیاں کھول کر بیان کر دی ہیں۔'' (الانعام:۹۸)

نفس واحدہ کیا ہے ــــ؟ تصوف میں اسے نقطۂ وحدانی بھی کہا جاتا ہے۔ نظریۂ رنگ و نور کے محقق عظیمی صاحب فرماتے ہیں:

''تصوف میں نفس واحدہ کا اصطلاحی نام ''نسبت وحدت'' ہے اور اس کو ایک نقطہ سے تشبیہ دی جاسکتی ہے جس میں تمام کائنات بند ہے۔''

خالق کائنات نے جب تخلیق کا ارادہ فرمایا تو خالق کے ارادے کا اظہار دو رخوں میں ہوا۔

★ ایک نقطہ کا ظاہر ہونا

★ دوسرا نقطہ کی حرکت

کائناتی مظاہر کی بنیاد نقطہ میں حرکت ہے۔ نقطہ میں حرکت ہوتی ہے تو حرکت کے دو رخ ہیں۔

★ ایک دائرہ

★ دوسرا مثلث

مثال: لٹو لیں اور اس کی نوک روشنائی سے تر کریں۔ اب لٹو کو ڈوری میں لپیٹ کر فرش پر پھینکیں۔ لٹو زمین پر گر کر دائرے میں گھومنے لگتا ہے۔ یہ ''محوری'' حرکت ہے۔ گھومتے ہوئے لٹو سیدھا رہنے کے بجائے کبھی

زیادہ اور کبھی کم ترچھا ہوتا ہے یعنی دوسرے لفظوں میں محوری حرکت میں زاویہ بنتا ہے اور لٹو گھومتے ہوئے آگے کی جانب بڑھتا ہے۔ آگے بڑھنا ''طولانی'' حرکت ہے۔ البتہ محوری حرکت کرتے ہوئے آگے بڑھنے سے مثلث بننا شروع ہوتے ہیں لیکن یہ سارے مثلث دائرے کے اندر بنتے ہیں۔

مثلث کی خصوصیت ہے کہ اس میں زاویے ہوتے ہیں۔ زاویے ظاہر ہونے سے ڈائی مینشن بنتی ہیں اور سمتوں کا تعین ہوتا ہے۔ ڈائی مینشن دراصل مخلوقات ہیں۔ کائنات کی کسی بھی شے کو دیکھیں، وہ ڈائی مینشن میں ہے۔ مثلث میں ڈائی مینشن ظاہر ہے اس لئے محدود ہے۔ اس کے برعکس دائرے میں زاویے مغلوب ہیں لہٰذا دائرہ لامحدود ہے۔ جس رخ اور زاویے سے دیکھیں، دائرے میں جو ابتدا ہے وہی انتہا ہے۔ زاویے مغلوب ہو جائیں تو زیر بحث نہیں آتے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے،

''دیکھو یہ اپنے پروردگار کے روبرو حاضر ہونے سے شک میں ہیں۔ جان لو، اللہ ہر شے پر محیط ہے۔''

(حٰمٓ السجدۃ: ۵۴)

دائرہ ایسی حرکت ہے جو ہر مخلوق پر محیط ہے اور مخلوق دائرے کی پابند ہے۔ حرکت جہاں سے آتی ہے، مظاہرہ کر کے وہیں لوٹ جاتی ہے۔ یہاں اہم نکتہ یہ ہے کہ زندگی اس وقت قائم رہتی ہے جب دائرے میں ہو۔ یعنی مخلوق خود سے موجود نہیں، اس کا کوئی سورس ہے۔ دائرے سے باہر مخلوق کا وجود نہیں۔

''ہم اللہ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔'' (البقرۃ: ۱۵۶)

دائرے کی ابتدا نقطہ سے ہوتی ہے۔ نقطہ کس طرح حرکت کر کے دائرہ بنتا ہے اور دائرے میں تخلیقات ظاہر کس طرح ہوتی ہیں، مثال سے سمجھیں۔ تصویر کھینچنے کے لئے کیمرے کا استعمال کیا جاتا ہے۔ کیمرے میں باہر کی جانب لینس لگا ہوتا ہے اور اندر ریل یا فلم ہوتی ہے۔ کیمرے کے لینس اور فلم کے درمیان پردہ ہے جسے شٹر (shutter) کہتے ہیں۔ شٹر کی ساخت ایسی ہے کہ درمیان میں نقطہ دکھائی دیتا ہے۔ جب کیمرے کا بٹن دباتے ہیں تو شٹر میں موجود نقطہ میں حرکت ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ نقطہ کھلتا ہے۔ نقطہ کے کھلنے سے دائرہ بنتا ہے۔ دائرہ بننے سے لینس اور فلم کے درمیان سے پردہ ہٹ جاتا ہے اور لینس کے سامنے موجود منظر — لہروں کے ذریعے، شٹر کے دائرے میں سے گزر کر فلم پر نقش ہوتا ہے اور شٹر کا دائرہ پھر سے بند ہو کر نقطہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ نقطہ کا دائرہ بننا اور پھر نقطہ بن جانے کا عمل، لمحے کے کم ترین حصے میں ہوتا ہے۔

اگر فلم پر موجود نقوش کی اصل بیان کرنا چاہیں تو نقطہ کی حرکت کو دائرے کے علاوہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ دائرے نے اپنی حرکت کے دوران جو کچھ فلم پر منتقل کیا

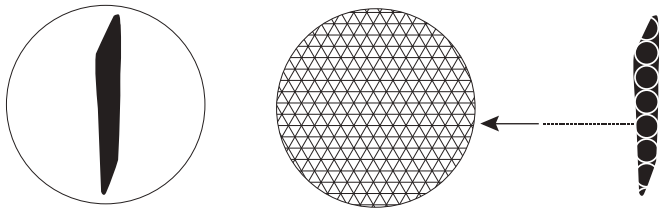

وہی مخلوقات کی صورت میں نقش ہوگیا۔

مثالوں سے وضاحت ہوتی ہے کہ دائرے سے تخلیقات وجود میں آتی ہیں اور دائرہ، نقطہ میں حرکت ہے۔ جب تک نقطہ میں حرکت نہ ہو اس وقت تک مخلوقات کا وجود نقطہ میں مخفی رہتا ہے۔

دنیا میں رائج مختلف زبانوں کی بات کریں تو ہر زبان کے بنیادی حروف ہیں۔ حروف کی آپس میں جمع تفریق سے لفظ اور لفظوں کی ترتیب سے جملے بنتے ہیں۔ یوں زبان کا قیام عمل میں آتا ہے۔

زبان حروف تہجی سے شروع ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اردو زبان کے بنیادی حروف الف، ب، پ ہیں اور انگریزی کے A,B,C ہیں۔ اردو میں ''ب'' کا تذکرہ اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک پہلے ''الف'' نہ پڑھ لیا جائے۔ ''الف'' باقی تمام حروف کی بنیاد ہوئی۔ اردو زبان سے ''الف'' نکال دیا جائے تو اس زبان کی عمارت ڈھیر ہوجائے گی۔ اسی طرح انگریزی میں A دیگر حروف کے لئے ''الف'' کے قائم مقام ہے۔

الف اردو حروف تہجی کی بنیاد ہے لیکن ''الف'' کی بنیاد بھی نقطہ ہے۔ جب تک نقطہ کو قلم سے نیچے کی جانب سیدھی حرکت نہیں دی جاتی تب تک ''الف'' کی شکل وصورت واضح نہیں ہوتی۔ الف کیا ہے — ؟ نقطہ در نقطہ ہے۔ اب یہی ''الف'' پوری اردو زبان کی بنیاد بن جاتا ہے۔ یہ صورت تمام زبانوں، خاکوں، تصویروں اور گنتی کی ہے۔

شہنشاہ ہفت اقلیم حضرت بابا تاج الدین ناگپوریؒ فرماتے ہیں،

مانس ہے سب آتما، مانس ہے سب راکھ
بندی کی گنتی نہیں، بندی میں سو لاکھ

مفہوم: نقطہ کی کوئی قیمت نہیں لیکن نقطہ سے سو لاکھ بن جاتے ہیں۔

مثلث میں ڈائی مینشن یعنی حدود نمایاں ہوتی ہیں اس لئے اسے مخلوقات سے مناسبت دی جاتی ہے۔ مثلث دائرے کے اندر ہے کیوں کہ اس کی ابتدا اس وقت ہوتی ہے جب دائرے کو دو حصوں میں تقسیم

کرتے ہیں۔مثلث (تخلیقات) کی مزید وضاحت اس طرح سے ہے،

★ دائرہ کے درمیان میں اوپر سے نیچے ایک لکیر کھینچ کر آدھا کریں تو دو مثلث وجود میں آتے ہیں۔

★اب اسی دائرے میں دائیں سے بائیں لکیر کھینچیں تو پہلی لکیر کو ملا کر چار مثلث ظاہر ہوتے ہیں۔

★ہر مثلث کو آدھا کرتے جائیں تو وہ مزید تقسیم ہوتے جاتے ہیں۔

یہ اللہ کی صفت محیط کا تذکرہ ہے۔

''اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو گھیرا ہوا ہے۔'' (البقرۃ: ۲۵۵)

قرآن کریم میں تخلیق کے قانون کی وضاحت متعدد مقامات پر ہے۔خالق و مالک اللہ کا ارشاد ہے،

''اور ہم نے ہر چیز کا جوڑا پیدا کیا تا کہ تم غور کرو۔'' (الذّٰریٰت: ۴۹)

ایک اور مقام پر ارشاد ہے،

''اس نے زمین کو فرش بنایا اور اس میں پہاڑ اور نہریں بنائیں۔ اور اس میں ہر قسم کے ثمرات کے جوڑے دوہرے پیدا کئے۔'' (الرعد:۳)

مثلث جتنی تعداد میں کیوں نہ ہوں، دائرے کی بنیاد پر وجود میں آتی ہیں یعنی ہر شے کی بنیاد دائرہ ہے اور اس قانون میں تبدیلی نہیں ہے۔ارشاد باری ہے،

''اللہ ہر شے پر محیط ہے۔'' (حٰمٓ السجدۃ:۵۴)

''قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، اس کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی، یہی بالکل راست اور درست دین ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔'' (الروم:۳۰)

مخلوق کے حواس، خالق کی صفات کے سبب حرکت میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ''بصیر'' کے تحت مخلوق میں دیکھنے کی حس قائم ہے۔صفتِ سمیع کے تحت مخلوق میں سماعت متحرک ہے۔مخلوق ذی احتیاج ہونے کے باعث حواس میں محدودیت رکھتی ہے اور ایسی صفات کا مظاہرہ کرتی ہے جن سے خالق بے نیاز ہے۔مثلاً مخلوق کھانے پینے اور سونے جاگنے پر مجبور ہے — اللہ تعالیٰ رزاق ہیں اور بھوک اور پیاس جیسے تقاضوں سے بے نیاز ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو نیند تو کیا اونگھ بھی نہیں آتی۔مخلوق کسی سے پیدا ہوتی ہے اور پیدائش کے سلسلے کو آگے بڑھانے کا سبب ہے جب کہ خالق کائنات اللہ تعالیٰ ان صفات سے بے نیاز ہے۔

سوال ہے — جب ہر شے پر دائرہ غالب ہے پھر ہمیں نظر کیوں نہیں آتا؟ وجہ یہ ہے کہ بچپن سے ہمیں زاویوں میں دیکھنے کی مشق کرائی جاتی ہے جو اس قدر پختہ ہو جاتی ہے کہ دائرہ موجود ہوتے ہوئے بھی آنکھ کے لئے غیب بن جاتا ہے۔

نقطہ سے دائرہ بننا اور دائرے میں مثلث کا ظاہر ہونا — تغیر کے مختلف نام ہیں اور تغیر کا مطلب رنگ

ہے یعنی حدود کا تعین یا پہچان مقرر ہونا۔

''حواس میں تغیر ورائے بے رنگ سے ہوتا ہے۔ ورائے بے رنگ میں تغیر سے ایک ایسی رنگینی پیدا ہوتی ہے جو بے رنگی کہلاتی ہے۔ بے رنگی میں تغیر ہوتا ہے تو حواس میں ایک ایک رنگ پیدا ہو جاتا ہے اور یہ بہت سارے رنگ جمع ہو کر کائنات بن جاتے ہیں۔'' (کتاب: نظریۂ رنگ و نور)

بے رنگی (رنگوں کا مغلوب ہونا) دائرہ ہے۔ رنگ کی ایک تعریف مثلث ہے۔ کائنات میں ہر شے رنگوں کا مجموعہ ہے۔ اور یہی رنگ خالق اور مخلوق کے درمیان پردہ ہے۔

تغیر کی ایک اور مثال تالاب میں کنکر کی ہے۔

جب کنکر تالاب کی پُرسکون سطح سے ٹکراتے ہوئے تہ میں پہنچتا ہے تو تالاب کی سطح پر لہریں دائرے کی صورت میں نمودار ہوتی ہیں۔ ہر لہر کسی نوع کو ظاہر کرتی ہے۔ لہر تالاب کے اندر پہلے بھی موجود مگر مخفی تھی۔ کنکر سے پیدا ہونے والے تغیر نے تالاب کے باطن میں تلاطم پیدا کر دیا اور اندر موجود سطح (مخلوق) ظاہر ہو گئی۔ ظاہر ہونے والی لہر تالاب کے کنارے تک پہنچتی ہے۔ کنارے سے ٹکرا کر واپس مرکز کی طرف پلٹتی ہے اور مرکز میں ضم ہو کر پُرسکون ہو جاتی ہے۔ لہر کی بے قراری کو حضرت علامہ اقبالؒ نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔

تو ہے محیط بیکراں میں ہوں ذرا سی آب جُو
یا مجھے ہم کنار کر یا مجھے بے کنار کر

نیند کی ماتی

آئی جب ان کی یاد تو آئی چلی گئی
ہر نقش ماسوا کو مٹاتی چلی گئی
ہر منظر جمال دکھاتی چلی گئی
جیسے انہیں کو سامنے لاتی چلی گئی
ہر واقعہ قریب تر آتا چلا گیا
ہر شے حسین تر نظر آتی چلی گئی
ویرانۂ حیات کے ایک ایک گوشہ میں
جوگن کوئی ستار بجاتی چلی گئی
دل پُھک رہا تھا آتش ضبط فراق سے
دیپک کو مے گسار بناتی چلی گئی
بے حرف بے حکایت و بے ساز و بے صدا
رگ رگ میں نغمہ بن کے سماتی چلی گئی
جتنا ہی کچھ سکون سا آتا چلا گیا
اتنا ہی بے قرار بناتی چلی گئی
کیفیتوں کو ہوش سا آتا چلا گیا
بے کیفیوں کو نیند سی آتی چلی گئی
تفریق حسن و عشق کا جھگڑا نہیں رہا
تمیزِ قرب و بعد مٹاتی چلی گئی
میں تشنہ کام شوق تھا پیتا چلا گیا
وہ مست انکھڑیوں سے پلاتی چلی گئی
اک حسن بے جہت کی فضائے بسیط میں
اڑتی گئی مجھے بھی اڑاتی چلی گئی
پھر میں ہوں اور عشق کی بیتابیاں جگرؔ
اچھا ہوا وہ نیند کی ماتی چلی گئی

(کلام: جگرؔ مرادآبادی)

عثمان طاہر

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے

روشنی لطیف احساس ہے۔ لطافت کو کثیف درجے میں محسوس کرنے سے چیزیں ٹھوس نظر آتی ہیں جب کہ ہر ٹھوس شے کو آپ چھوٹے سے چھوٹے ٹکڑے میں تقسیم کریں تو ٹھوس پن غائب ہو جاتا ہے۔ شے غائب نہیں ہوئی، اس کے گرد ٹھوس غلاف غائب ہوا ہے۔

خالق کائنات اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو پیدا کیا تو خاکی پتلے کی خبر سماوات وارض میں عام ہوئی۔ پتلے کی اطلاع عزازیل تک پہنچی۔ سن کر اس کا جو حال ہوا وہ کتاب ''شیطان کی سوانح عمری'' میں ابلیس کی زبانی بیان کیا گیا ہے۔ کتاب میں سے ایک اقتباس پڑھیے۔

''میں (شیطان) بھی پتلے کے پاس گیا۔ درحقیقت اس کے متعلق جو کچھ اطلاع ملی تھی، وہ سب باتیں اس پتلے میں موجود تھیں۔ عجیب وغریب اعضا کی ساخت اور حسن بے نظیر تھا۔ مجھے (شیطان) دیکھتے ہی، وہاں جتنے فرشتے جمع ہوئے تھے، کہنے لگے کہ اے استاد! یہی وہ پتلا ہے جس کی اطلاع ہمیں ملی تھی۔ میں نے کہا ذرا ٹھہرو میں اسے اندر سے دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ معلوم ہو سکے کہ خداوند قدوس نے اس کے اندر کس قسم کی مشینری رکھی ہے۔ یہ کہتے ہوئے اول تو میں نے اس پتلے کو اپنی انگلیوں سے اس طرح بجایا جیسے آج کل کے زمانے میں تربوز کا خریدار تربوز خریدتے وقت پکا اور کچا دیکھنے کے لئے انگلیوں کی پشت سے تربوز پر چوٹ مارتا ہے۔ میری اس حرکت سے پتلے میں ایک آواز پیدا ہوئی۔ بہت ہی عجیب وغریب آواز، غالباً یہ آواز خالق کائنات کے حضور میں فریاد کے طور پر تھی۔ مگر میں نے اس کی کچھ پروانہ کی اور اپنی مخصوص طاقتوں کے ذریعے پتلے کے اندر داخل ہو گیا تاکہ اس کا اندرونی مطالعہ کر سکوں۔ باطن کی سیر کرتے ہوئے مجھے بے شمار باتیں معلوم ہوئیں۔ منجملہ ان کے اس پتلے کی صاف باطنی سطحی نور، ہر قسم کی صلاحیت اور قابلیت میرے لئے قابل تعجب تھی۔ میں نے اس اپنی طویل عمر میں جو کچھ دیکھا تھا وہ سب اس مٹی کے پتلے میں موجود تھا۔ چناں چہ میں رگ رگ کی سیر کرتا ہوا دل کے قریب پہنچا مگر وہ کچھ اس طرح بند کیا گیا تھا کہ میں نہ اسے کھول سکا اور نہ اس کے اندر کے حالات معلوم ہو سکے۔ خالق نے اسے سر بمہر کر دیا تھا۔ میں نے سمجھ لیا کہ یقیناً اس پُراسرار ڈبے میں کوئی خاص چیز بند کی گئی ہے جسے مجھ سے پوشیدہ رکھنے کا انتظام کیا گیا ہے۔ چناں چہ میں

پتلے سے باہر آیا اور اپنے ساتھیوں سے پورا ماجرا بیان کیا کہ اس پتلے کے صدر مقام پر ایک خزانہ ہے جس میں کوئی ایسا راز ہے جو ہمارے لئے باعث نقصان ہوسکتا ہے۔ میں نے ہر چند اسے دیکھنے کی کوشش کی لیکن کام یابی نہ ہوسکی۔ اس واسطے ہم سب کو بچاؤ کی فکر کرنی چاہئے۔ فرشتوں نے میری بات سنی اور مسکرا کر خاموش ہوگئے۔''

شیطان نے خاکی پتلے کی رگ رگ کی سیر کی ہے، معنی یہ ہیں کہ وہ آدمی کے خون کے ساتھ دوڑتا ہے لیکن دل میں ایک مقام ایسا ہے جس میں وہ داخل نہیں ہوسکا۔ وہ سمجھ گیا کہ خزانہ اس مقام پر ہے۔

آدمی چھ مدارج کا مجموعہ ہے۔ عظیمی صاحب فرماتے ہیں کہ تیسرے درجے سے شیطان کا عمل دخل شروع ہوتا ہے۔ اس سے پہلے کے دو درجات یعنی پہلے اور دوسرے درجے میں شیطان کا عمل دخل نہیں ہے۔ مضمون میں دیئے گئے اقتباس میں جس مقام کی نشان دہی کی گئی ہے جہاں شیطان داخل نہ ہوسکا، وہ پہلے دو درجات ہیں۔ درجات کیا ہیں ــــ؟

آسان تعریف یہ ہے کہ درجات روشنی کو محسوس کرنے کے مراحل ہیں۔ پہلے سے آخری درجے تک سارے مدارج آدمی کے اندر موجود ہیں لیکن آدمی آخری درجے میں زندگی گزارتا ہے البتہ وہ پانچویں درجے سے ناواقفیت کی حد تک واقف ہے اور اس درجے کا مشاہدہ نیند کی دنیا ہے۔

نیند کی دنیا میں آدمی وہ سب کچھ کرتا ہے جو بیداری میں کرتا ہے۔ جیسے غسل واجب ہونا، خوف و دہشت سے آنکھ کھلنا، جاگنے کے بعد زبان پر ذائقہ محسوس ہونا اور نیند کی دنیا میں جو کھانا کھایا ہے، جاگنے کے بعد ہاتھوں سے اس کی خوش بو آنا اس کی مثالیں ہیں۔

آخری درجے میں زندگی گزارنے کے معنی یہ ہیں کہ آدمی روشنی کو کم ترین درجے یعنی رنگوں میں دیکھتا ہے۔ اس نے روشنی کو روشنی میں دیکھنے کی صلاحیت بیدار نہیں کی اس لئے وہ اسفل سافلین میں ہے۔

روشنی لطیف احساس ہے۔ لطافت کو کثیف درجے میں محسوس کرنے سے چیزیں ٹھوس نظر آتی ہیں جب کہ ہر ٹھوس شے کو آپ چھوٹے سے چھوٹے ٹکڑے میں تقسیم کریں تو ٹھوس پن غائب ہوجاتا ہے۔ شے غائب نہیں ہوئی، اس کے گرد ٹھوس غلاف غائب ہوا ہے۔ ہمیں شے کو غلاف میں دیکھنے کی عادت ہے اس لئے غلاف (ٹھوس پن) کے بغیر جب ہم اس کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ غائب ہوگئی ہے۔

دوستو! تحریر کا مقصد دل میں اس مقام کی اہمیت کی طرف متوجہ کرنا ہے جس میں داخل ہوکر ہم شیطان سے محفوظ ہوسکتے ہیں۔ شیطان کیا ہے ــــ؟ شک اور وسوسہ ہے کیوں کہ شیطان نوع آدم میں خود کو انہی صفات کے ذریعے ظاہر کرتا ہے۔

''اس نے کہا، تیری عزت کی قسم! میں ان سب لوگوں کو بہکا کر رہوں گا، بجز تیرے ان بندوں کے جنہیں تو نے خالص کرلیا ہے۔'' (صٓ: ۸۲-۸۳)

لفظ ''خالص'' کی تعریف نور سے پُر نور قلب و ذہن ہے جس میں سوائے بے نیازی کے کسی رنگ کی گنجائش نہیں، بندہ ہر شے کو نور میں دیکھتا ہے۔

نور اللہ کی صفت ہے جس کے تحت کائنات تخلیق ہوئی ہے۔ کون و مکان میں ہر مخلوق نور کی تخلیق ہے۔ نظر جب نور کو نظر انداز کر کے خود کو اور دنیا کو دیکھتی ہے تو اسے وہ رنگ نظر آتے ہیں جن میں تغیر ہے۔

نور میں تغیر نہیں ہے کیوں کہ وہ خالق کائنات کی لامحدود صفت کو ظاہر کرتا ہے۔ لامحدودیت میں بتایا نہیں جاسکتا کہ شے کہاں سے شروع ہوتی ہے اور کہاں ختم۔ اگر وہ کہیں سے آغاز کر کے کہیں پر انجام پذیر ہو رہی ہے تو پھر جہاں سے اس کا آغاز اور جہاں پر انجام ہو رہا ہے، اس سے پہلے اور بعد میں بھی کچھ ہونا چاہئے — لیکن ایسا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نور کے بارے میں فرماتے ہیں،

''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے طاق میں چراغ ہو۔ چراغ ایک فانوس میں ہو، فانوس جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا تارا، اور وہ چراغ زیتون کے ایسے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی۔ جس کا تیل آپ ہی بھڑکتا ہو چاہے آگ اس کو نہ لگے۔ نور پر نور۔ اللہ جسے چاہے اپنے نور کی ہدایت دیتا ہے۔ وہ لوگوں کو مثالوں سے بات سمجھاتا ہے اور اللہ ہر شے سے واقف ہے۔'' (النور:۳۵)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں سمتوں کی نشان دہی کر کے نور کو ان سمتوں پر محیط بتایا ہے یعنی سمتوں کی نفی کی ہے اور یہ نفی نور کی وجہ سے ہے۔

سمتوں میں تغیر ہوتا ہے۔ تغیر کی نشانی یہ ہے کہ جس شے کا آغاز اور انجام ہے، وہ ایک حالت میں نہیں رہتی۔ تغیر حالت کی تبدیلی کے سبب پیدا ہوتا ہے اور مختلف مراحل سے گزر کر انجام کو پہنچتا ہے جب کہ نہیں پہنچتا۔ ان مراحل سے گزرتے ہوئے اس کی شکل مستقل تبدیل ہوتی ہے جس کا نام لوگ بچپن، لڑکپن، جوانی اور بڑھاپا رکھتے ہیں — یہ دنیا کے رنگ ہیں جن کی خصوصیت تبدیل ہونا ہے۔ اگر بندہ اپنی فطرت یعنی نور سے قریب ہو تو دنیا کے بدلتے رنگوں کے باوجود چہرے پر نورانیت برقرار رہتی ہے۔

مثال: ہر پیدا ہونے والے بچے کی فطرت نور ہے اور یہی اس کی خوب صورتی اور معصومیت کا سبب ہے۔ بچے بڑے ہوتے ہیں تو ان کے چہرے پر دنیا کا رنگ آجاتا ہے جو ہر گزرتے لمحے اور دن کے ساتھ تبدیل ہوتا ہے مگر اللہ کی یاد میں رہنے والے کے چہرے کا رنگ نہیں بدلتا۔ آپ ایسے شخص کو جس عمر میں دیکھیں، اس میں کشش اور معصومیت برقرار رہتی ہے، چہرہ تر و تازہ رہتا ہے اور اس پر نور کا ہالہ محیط ہوتا ہے۔

نور اور رنگ کیا ہے ــــ؟ نور یقین ہے، رنگ بے یقینی ہے۔ نور میں تغیر نہیں ہے، رنگوں میں تغیر ہے جس کی وجہ سے شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں۔ شکی آدمی خوف وغم میں مبتلا ہوتا ہے کیوں کہ شیطان کا کام الوژن (حزن وملال) پیدا کرنا ہے۔

جنت میں آدم وحوا شجر ممنوعہ کے قریب گئے، شک بیدار ہونے سے حزن وملال پیدا ہوا ــــ وہ زمین پر آ گئے جو بدلتے رنگوں یعنی شک کا مقام ہے۔

اللہ کے دوستوں کی تعریف یہ ہے کہ ان کو خوف وغم نہیں ہوتا۔ جب وسوسہ آتا ہے تو وہ اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھ کر اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔

صوفی شاعر خواجہ میر دردؒ فرماتے ہیں،

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پاسکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سماسکے
وحدت میں تیری حرف دوئی کا نہ آسکے
آئینہ کیا مجال تجھے منہ دکھاسکے
قاصد نہیں یہ کام تیرا اپنی راہ لے
اس کا پیام دل کے سوا کون لاسکے
غافل خدا کی یاد پہ مت بھول زینہار
اپنے تئیں بھلا دے اگر تو بھلاسکے
یارب یہ کیا طلسم ہے ادراک وفہم یاں
دوڑے ہزار آپ سے باہر نہ جاسکے

قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ اللہ کی یاد سے قلوب اطمینان پاتے ہیں یعنی ذکر الٰہی سے مومن قلب میں اللہ کی موجودگی کو محسوس کر کے راحت کے زون میں داخل ہوتا ہے جس کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے،

''اے نفس مطمئنہ! رجوع کر اپنے رب کی طرف۔ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ پس شامل ہو میرے بندوں میں اور داخل ہو میری جنت میں۔'' (الفجر: ۲۷-۳۰)

قرآن کریم میں دل کے تین مقامات کا ذکر ہے۔

۱۔ قلب ۲۔ صدر ۳۔ فواد

قلب کا تعلق مٹی سے ہے۔

صدر ــــ مٹی میں حرکت ہے۔

فواد وہ مقام ہے جہاں سے حرکت آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبؐ سے ملاقات کے بیان میں فواد کا ذکر فرمایا ہے کہ فواد نے جو دیکھا، جھوٹ نہیں دیکھا۔ اس دیکھنے میں یقین ہے۔

آدمی ہیرے جواہرات، سونا چاندی، اختیار اور ان جیسی دیگر چیزوں کو خزانہ سمجھتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ ان چیزوں سے دنیا میں برتری ظاہر ہوتی ہے لیکن اللہ کے دوست سمجھاتے ہیں کہ اصل خزانہ یقین ہے جو آنکھ سے فلکشن کا پردہ ہٹاتا ہے اور ''سکون'' کی دنیا میں داخل کرتا ہے۔

یقین سے واقف ہونا دل میں اس مقام سے واقف ہونا ہے جس کے بارے میں ارشاد ہے،

''دل نے جو دیکھا، جھوٹ نہیں دیکھا۔''

اللہ کی رسی

امت ایسے افراد پر مبنی گروہ کو کہتے ہیں جن کی منزل ایک ہوتی ہے، جن کا راہ نما ایک ہو اور وہ اپنے راہ نما کی طرز فکر اور اوصاف کا عملی نمونہ بنے۔

''اے ایمان والو! اللہ کے لئے تقویٰ اختیار کرو جس طرح کے حق ہے اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم فرماں بردار ہو۔ اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور تفرقہ نہ ڈالو اور اللہ تعالیٰ کی اس وقت کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی۔ پس تم اللہ کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے تو اس نے تمہیں بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت حاصل کرو۔'' (اٰل عمرٰن: ۱۰۲-۱۰۳)

قرآن کریم میں لفظ ''حبل'' کئی آیات میں آیا ہے۔ مذکورہ آیت میں سمجھنا بہت ضروری ہے کہ ''حبل اللہ'' سے کیا مراد ہے۔ یہ سوال کئی دوستوں سے کیا۔ تقریباً سب کا جواب تھا کہ قرآن وسنت اللہ کی رسی ہے۔

سوال یہ ہے کہ نوع آدم فرقوں میں کیوں بٹی ہوئی ہے اور خود کو صحیح اور اسی معاشرے میں رہنے والے اپنے بھائی بہن کو غلط کیوں سمجھتی ہے—؟

آیئے جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ حبل اللہ کیا ہے، اس رسی کو کون تھام سکتا ہے اور کیسے—؟

حبل اللہ کے معنی اللہ کی رسی ہے۔ رسی (rope) باندھنے کے لئے اور ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ جوڑنے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ رسی کے اجزائے ترکیبی پر غور کیا جائے تو اس کے ریشے اس طرح مربوط ہوتے ہیں کہ ان میں ربط اور تسلسل ہے۔ دوسرے الفاظ میں رسی کا مفہوم زنجیر یا لڑی (chain) ہے جس کی کڑیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہونے کی وجہ سے ان میں تسلسل ہوتا ہے۔ ایک کڑی دوسری کے اندر، دوسری تیسری کے اندر اور تیسری چوتھی کے اندر—!

دانا کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز جس سے کسی دوسری چیز تک پہنچا جائے حبل کہلاتی ہے۔ لہٰذا حبل اللہ ایسا میڈیم ہے جس کی ابتدا و انتہا اللہ کی صفات ہیں۔ حبل کو مضبوطی سے پکڑ کر مخلوق اپنے خالق کا عرفان حاصل کر سکتی ہے۔

قرآن کریم خالق کی طرف سے نوع جن و انس کا

تربیتی پروگرام اور زندگی گزارنے کا ضابطہ ہے۔اس کا مخاطب آدمی اور جن ہیں۔جبل اللہ کا مفہوم یہ ہے،

''ایسا میڈیم جو مخلوق (جنات اور انسان) کو خالق و مالک اللہ تک لے جائے اور اللہ سے ملادے۔''

ایک بات طے ہے کہ جبل اللہ یعنی میڈیم کے ذریعے ہی نوعِ آدم اپنے خالق و مالک اللہ کا عرفان حاصل کرسکتی ہے۔یہ رسی چھوٹ جائے تو مخلوق کے ذہن میں خالق کی قربت کا احساس مغلوب ہوجاتا ہے۔نتیجے میں انفرادی اور اجتماعی طور پر افرادِ معاشرہ کے انتشار میں مبتلا ہونے سے قوم کا شیرازہ بکھرتا ہے۔موجودہ دور میں مسلمان اس کی مثال ہیں۔

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کے لئے تقویٰ اختیار کرو اور اس تک پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو اور اللہ کے راستے میں جدوجہد کرو تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ۔'' (المائدۃ:۳۵)

ہم قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں، نمازیں ادا کرتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، حج وعمرہ کی ادائیگی کا شرف حاصل ہوتا ہے اور زکوٰۃ اور صدقہ وخیرات بھی کی جاتی ہے۔پھر امت ایک پلیٹ فارم پر متحد کیوں نہیں—؟ ہم ارکان اسلام ادا کرتے ہیں لیکن ارکان اسلام کی روح کیا ہے اس طرف توجہ نہیں دی جاتی۔

جب کوئی قوم بنیادی ارکان پر عمل پیرا ہونے کے باوجود انفرادیت و مادیت کے گرداب میں پھنس جائے تو اجتماعی شعور بیدار نہیں ہوتا۔

مشاہدہ ہے کہ ہم نے مادیت کو زندگی کا محور بنالیا ہے۔کثرت کی ہوس اس قدر بڑھ چکی ہے کہ عقل پر دبیز پردے پڑ گئے ہیں۔پیغام کو صحیح طریقے سے سمجھا نہیں گیا نتیجے میں قوم فرقوں میں بٹ گئی۔ہم روزے رکھتے ہیں، روزے کی جزا نہیں ملتی۔روزے کی جزا کیا ہے—؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

''روزہ میرے لئے ہے اور روزے کی جزا میں خود ہوں۔''

ہم نماز پڑھتے ہیں لیکن نماز میں پڑھی جانے والی سورتوں کا ترجمہ ہمیں یاد نہیں لہٰذا توجہ قائم نہیں ہوتی، اور نماز جس کا حقیقی مقصد خالق کائنات اللہ تعالیٰ سے ربط ہے، پس پردہ چلا جاتا ہے اور دنیا بھر کے خیالات ذہن میں گردش کرتے ہیں۔یہی صورت زکوٰۃ اور حج کی ادائیگی کی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے قرآن کا سمجھنا آسان کردیا، ہے کوئی سمجھنے والا؟

عربی سے ناواقف آدمی جب تک عربی نہیں سیکھے گا کیا وہ قرآن کے مفہوم سے واقف ہوسکتا ہے؟

ارکان دین کے ظاہری خدوخال کے ساتھ باطنی حیثیت کا مطالعہ کیا جائے تو روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ دین کے ہر رکن میں اجتماعیت ہے۔

مثال کے طور پر کلمہ ایک ہے۔

''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ''

بندہ انفرادیت و مادیت اور خودغرضی پر مبنی شعور

کی نفی کر کے ایثار پر مبنی وحدانیت کے اجتماعی اور کائناتی شعور میں داخل ہونے کا عہد کرتا ہے، اور یہ شعور اسے کہاں سے ملے گا — ؟ محمد رسول اللہؐ! یعنی اللہ کے رسول محمدؐ وہ ہستی ہیں جن پر قرآن نازل ہوا۔ جن کی طرز فکر اور اوصاف اختیار کر کے ہم اللہ تعالیٰ کے قریب ہو سکتے ہیں اور صحیح معنوں میں امت بن سکتے ہیں۔ امت ایسے افراد پر مبنی گروہ کو کہتے ہیں جن کی منزل ایک ہوتی ہے، جن کا راہ نما ایک ہو اور وہ اپنے راہ نما کی طرز فکر اور اوصاف کا عملی نمونہ بنے۔

''اللہ کی رسی'' کے مفہوم سے واقف ہونے کے لئے پہلے تخلیق کا بنیادی مقصد سمجھنا ضروری ہے۔

ہر شے مقصد کے پیش نظر موجود ہے۔ راقم الحروف کے خیال میں طرز فکر میں تقسیم کی ابتدا اس وقت ہوئی جب فرد تخلیق کے مقصد کو بھول گیا۔ حدیث قدسی ہے،

''میں چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں پس میں نے محبت سے مخلوق کو تخلیق کیا۔''

کون و مکاں میں ممتاز مخلوق انسان ہے۔ ہر مخلوق اپنی حد تک اللہ کا عرفان رکھتی ہے البتہ انسان کے امتیاز کا سبب وہ امانت ہے جسے زمین و آسمان اور ان میں موجودات بشمول پہاڑ سب نے اٹھانے سے معذوری ظاہر کی لیکن انسان نے قبول کر لیا۔ یہ امانت ''علم الاسما'' ہے۔

علم الاسما — تخلیق کے فارمولے ہیں جس کے تحت انسان کو زمین پر خلیفہ بنا کر نظام میں تصرف کا اختیار دیا گیا ہے۔ اس علم کا مظاہرہ فرشتوں کے سامنے ہوا تو انہوں نے لاعلمی کا اقرار کر کے اللہ تعالیٰ کے حکم پر آدم کی حاکمیت قبول کی۔ علم الاسما کی بدولت جنت آدم کا مسکن بنی۔ پھر فرماں برداری والے دماغ پر نافرمانی غالب آ گئی۔ یہ نافرمانی آدم کے اندر کہاں سے آئی — ؟ نافرمانی آدم میں پہلے سے موجود تھی۔ آدم کی مٹی کو دیکھ کر فرشتوں نے کہا تھا کہ یہ زمین پر فساد برپا کرے گا مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔

جس طرح کسی وقت میں فرشتوں کا استاد ابلیس نافرمانی پر راندۂ درگاہ ہوا اسی طرح آدم نے حکم کی خلاف ورزی کی تو جنت نے نافرمانی کے دماغ کو رد کر دیا۔ نافرمانی سے یقین کی جگہ شک نے لے لی۔ اب جب تک نوع آدم شک کو ترک کر کے یقینی دنیا میں داخل نہیں ہوتی، اپنے اصل مقام سے دور رہے گی۔

نافرمانی کے دماغ کی کیفیات جنت کے دماغ کے متضاد ہیں۔ جنت میں قربت اور زمین پر دوری کے حواس غالب ہیں۔ دوری کے حواس کو قربت میں بدلنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انبیائے کرام بھیجے۔ ان مقرب بارگاہ ہستیوں نے پوری جدوجہد اور کوشش کی کہ نوع آدم کو یہ بات بتائی اور سمجھائی جائے کہ وہ مخلوق ہیں اور مخلوق خالق کی محتاج ہے۔ خالق ایک

ہے جس نے مخلوق کو اپنی پہچان کے لئے محبت سے تخلیق کیا ہے۔

دنیا مسافر خانہ اور آدمی مسافر ہے۔

آنے والا ہر آن آتا جاتا رہتا ہے۔

دنیا میں قیام کے دوران جب تک وہ فطرت کے احکامات پر کاربند ہے، اللہ سے قریب ہے۔ خلاف ورزی کی صورت میں شیطان اس کا اور وہ شیطان کا دوست بن جاتا ہے۔ شیطان کا کام شک پیدا کرنا اور تقسیم کرنا ہے۔

ہر نبی نے معاشرے کی تربیت کی۔ لوگوں کو شرک، چوری، بے راہ روی، نفرت، ظلم، غیبت و بہتان اور حق تلفی جیسے شیطانی اوصاف سے دور کیا— انہیں غور و فکر، علم و امن، ایک دوسرے کا احترام، رواداری جیسے اوصاف سکھا کر کے انہیں متحد کیا۔ انبیائے کرام اللہ کا پیغام لے کر آئے ہیں اور پیغام شروع سے آخر تک ایک ہے لہٰذا انبیائے کرام اور ان پر نازل ہونے والی کتب ہی اللہ کی رسی ہیں جن کو اللہ نے متحد ہو کر مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا ہے۔

''اے نبی! تم کو جو کچھ کہا جا رہا ہے اس میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو تم سے پہلے گزرے ہوئے رسولوں کو نہ کہی جا چکی ہو۔'' (حٰمٓ السجدۃ::۴۳)

انبیائے کرام کی بعثت ہدایت الٰہی کی ایک لڑی (chain) ہے۔ ان کے پیغام میں اختلاف نہیں ہے، پیغام شروع سے آخر تک ایک ہے۔ جن لوگوں نے تعلیمات پر عمل کیا، ان میں اپنے نبی کے اوصاف منتقل ہوئے اور ان کا قلب اللہ کی قربت سے مجلّا ہو گیا۔ جنہوں نے انکار کیا، انہوں نے دنیا و آخرت کی رسوائی دامن میں سمیٹ لی۔

رسول اللہؐ نے آخری خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا،

''خبردار! ناانصافی کو پاس نہ آنے دینا۔ میں نے تم میں ایک ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اس کو مضبوط پکڑے رکھو گے اور اس پر عمل کرو گے تو کبھی گم راہ نہ ہو گے۔ وہ چیز اللہ کی کتاب ہے۔''

سمجھنا یہ ہے کہ قرآن کریم میں جو کچھ ارشاد ہے اس پر تفکر کیا جائے۔

خالق کے ساتھ قلبی تعلق قائم ہونا ضروری ہے کہ مخلوق بذات خود کچھ نہیں، اس کے اندر توانائی اور حرکت اللہ کی عطا کردہ ہے۔ کائنات حیات در حیات نظام ہے۔ فرد ایک دنیا سے دوسری دنیا میں داخل ہوتا ہے۔ یہاں مرتا ہے، وہاں اٹھتا ہے۔ جب تک وہ خالق سے واقف نہیں ہو گا، ہر عالم میں در بدر رہے گا۔ اللہ نے محبت سے وسائل تخلیق فرمائے ہیں اور سب کو نعمتوں سے نوازا ہے۔ شکر ادا کرنے کے لئے مخلوق پر لازم ہے کہ اسے خالق کائنات کا عرفان حاصل ہو۔

اگر پیغمبرانہ تعلیمات کے مطابق بچے کی تربیت نہ کی جائے تو فریب پر قائم معاشرتی شعور بچے کو منتقل ہوتا ہے۔ معاشرے میں عمومی طور پر ظاہری چیزوں کو اہمیت

دی جاتی ہے اس لئے بچہ اصل سے دور اور بے سکونی کی دلدل میں پھنس جاتا ہے۔ احسن تربیت سیرت طیبہؐ کی پیروی کر کے ہی ممکن ہے۔

حکیم سنائی غزنوی کہتے ہیں،

حضورؐ کی زیبائش باکمال اور فضل باجمال ہے
حضورؐ کا چہرہ نورِ مبین اور نسبت مضبوط رسی ہے
حضورؐ کی عطا سے نورِ فراست مل جائے تو
ہر شے ان کے کمال و جمال سے جانو اور دیکھو گے

اللہ تعالیٰ نے ہر امت میں نبی بھیجے اور ہر نبی نے اپنے سے پہلے نبی کی تعلیمات کی تجدید کی اور بعد میں آنے والے نبی کی بشارت دی یعنی بتایا کہ حضرت آدمؑ سے لے کر آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک راستہ اور منزل ایک ہے۔

الہامی کتب اور آخری آسمانی کتاب قرآن کریم ضابطۂ حیات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

''ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات وضاحت سے بیان کر دی ہے۔''

ایٹم اور ایٹم سے بھی چھوٹے جز کا فارمولا اور زندگی چاہے زمینی مخلوقات کی ہو یا فلکی اجرام کی، اس کی پوری وضاحت قرآن کریم میں ہے۔ کائنات کا علم اس ہستی کے پاس ہے جس نے یہ کائنات بنائی۔ لہٰذا خالق کائنات کی ہدایت کو نظر انداز کر کے کائنات کو جاننے کی ہر کوشش ادھوری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

''اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور تفرقہ نہ ڈالو۔'' (آل عمران:۱۰۳)

مضبوطی سے مراد اس علم میں راسخ ہونا ہے کہ ہر شے اللہ کی طرف سے ہے اور میں خود بھی زمین پر اللہ کی امانت ہوں۔ اللہ کے پاس سے آیا ہوں اور ایک روز اللہ کے پاس لوٹ جانا ہے۔ جب میرا آنا اور جانا ایک ہی ہستی کے پاس ہے پھر دنیا میں قیام کے دوران کسی اور شے کو مقصد حیات بنانا دانش مندی نہیں۔

دو بیٹے

کسان کے بیٹوں میں اختلاف ہو گیا۔ باپ نے بہت کوشش کی کہ بیٹے اتفاق و اتحاد سے رہیں لیکن بیٹوں کی ایک دوسرے کے خلاف شکایتوں کا سلسلہ دراز ہو گیا۔ گھر میں ناچاقی کی وجہ سے رزق میں برکت ختم ہو گئی اور اس سال فصل کو بھی نقصان پہنچا۔ اب بیٹے آپس کی لڑائی بھول کر فصل کی تباہ حالی پر پریشان ہوئے اور سر جوڑ کر بیٹھے۔ باپ نے ایک ساتھ بیٹھے دیکھا تو کہا، جس گھر میں شکوے شکایات ہوتی ہیں وہاں مٹکے میں پانی سوکھ جاتا ہے۔ تم خود کو صحیح اور ایک دوسرے کو غلط سمجھتے ہو۔ بتاؤ جب جماعت میں دو فریق پیدا ہو جائیں تو ان میں کس کو صحیح کہا جائے؟ ایک دوسرے کے لئے دل بڑا کرو اور درگزر کرنا سیکھو۔ شکوے شکایات کرنے والے بے سکون رہتے ہیں۔ نفرت — نفرت سے نہیں، محبت سے ختم ہوتی ہے۔

خاک میں آگ

ایک صاحب نے آبادی سے دور عبادت میں مشغول رہنے والے شخص کا امتحان لینا چاہا کہ دیکھیں یہ کتنے پانی میں ہے۔ اگر علم میں مستحکم ہے تو میں اس کی شاگردی اختیار کرلوں گا۔ کٹیا کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

اندر سے کسی نے برہم ہوکر پوچھا، کون ہے ــــ؟

جناب! آگ چاہئے۔

بھائی! آگ میری کٹیا میں نہیں ہے۔

ان صاحب کو آگ کی تلاش نہیں تھی، امتحان لینا مقصود تھا لہٰذا لہجے میں برہمی کی پروا نہیں کی اور پھر پوچھا، تھوڑی سی آگ دے دیجئے۔ اندر سے غصے بھری آواز آئی، چلا جا کیسا آدمی ہے۔ ہم کہہ رہے ہیں کہ آگ نہیں ہے اور تم مانتے نہیں ہو۔ اب آواز نہیں دینا۔

اس شخص نے کہا، جناب! دھواں تو اٹھ رہا ہے ــــ زیادہ نہیں، تھوڑی آگ دے دیجئے۔

زور سے دروازہ کھلا، آنکھوں میں غضب کی سرخی دیکھی لیکن گھبرانے کے بجائے کہا، آگ۔

عبادت گزار شخص مارنے کی غرض سے لکڑی اٹھا کر لایا۔ جاتے ہو یا ــــ؟

اس شخص نے ہاتھ جوڑے اور کہنے لگا، جناب! اب تو آگ اپنے جوبن پر ہے۔ تھوڑی تو مل سکتی ہے۔

عبادت گزار بولا، یہاں آگ کہاں ہے۔ کیوں بار بار آگ آگ کررہے ہو؟

وہ صاحب بولے، میں تو آپ سے واقف ہونے آیا تھا۔ خاکساری کی جانچ کی۔ دروازہ کھٹکھٹانے پر جو غصہ آپ کو پہلے آیا وہ آگ کا سلگنا اور دھوئیں کا اٹھنا تھا۔ کیا غصہ آگ نہیں ہے ــــ؟ یہ آگ آپ کے اندر پیدا ہوئی اور منہ کے راستے باہر آئی۔ پہلے آپ خود جلے پھر مجھے جلانے کی کوشش کی۔ خاکساری ہوتی تو اندر میں آگ پیدا نہ ہوتی۔ خاک میں آگ نہیں لگتی۔

س ب ق: غصہ خطرناک آگ ہے جس سے آدمی خود جلتا ہے اور دوسروں کو بھی جلا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے خاکسار اور بردبار ہوتے ہیں۔ انہیں غصہ نہیں آتا۔ اگر غصہ آجائے تو پی لیتے ہیں۔

ڈاکٹر نعیم ظفر

خمیر پھولتا اور سمٹتا ہے

یہ دنیا مٹی کے خمیر کا خمار ہے۔ خمیر عناصر سے مرکب ہے اور عناصر نمبروں کی خاص ترکیب ہے جو مختلف حسابی طریقوں سے حاصل کی جاتی ہے۔ ان میں ایک طریقہ لوگارتھم ہے جسے مشہور مسلم ریاضی دان عبداللہ بن محمد بن موسیٰ خوارزمی نے وضع کیا ہے۔ لوگارتھم سے مقداروں کے پھیلنے اور سمٹنے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جس کا سبب خمیر ہے۔ مادی محققین گھٹنے اور بڑھنے سے عمر کی پیمائش کرتے ہیں جب کہ باطنی علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ہر وہ پیمائش جسے آدمی محدود حواس میں محسوس کرتا ہے، فکشن ہے۔ جسم خلیات کا مرکب ہے، ان خلیات کو کیڑے کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ کیڑوں کو ہم بیکٹیریا کے نام سے جانتے ہیں۔ بیکٹیریا نہ ہو تو خمیر کی دنیا زیر بحث نہیں آئے گی۔ ہر وہ شے جو ہم کھاتے پیتے ہیں اس میں خمیر ہے۔ کیمیا دان خمیری عمل میں کاربن اور کاربن کے مرکبات کو اہم جز قرار دیتے ہیں۔ تمام اشیا اپنی اسپیس یا مکانیت میں پیدا ہوتی ہیں اور اسی میں ختم ہو جاتی ہیں۔ اسپیس کا پھیلنا اور سکڑنا خمیر کی مختلف حالتیں ہیں۔ اب آگے پڑھیے۔

آٹھویں سے بارھویں صدی تک مسلمانوں کا تحقیق میں بھرپور کردار نظر آتا ہے۔ دنیا بھر کی لائبریریوں میں ان کی تحریر کردہ پچاس لاکھ سے زائد کتابیں، جرائد، مسودے اور تحقیقاتی مقالے انتہائی حفاظت سے رکھے گئے ہیں۔ ان کتب کے مصنفین میں فارابی، خوارزمی، بیطار، ابن باجہ، ابن الہیثم، طوسی، جاحظ، ابن مسکویہ، جابر بن حیان، ابن سینا اور دیگر مایہ ناز ماہرین شامل ہیں حتیٰ کہ عربی و فارسی میں کئی اصل نسخے یورپ، امریکا اور برطانیہ کی لائبریریوں اور تحقیقی مراکز میں موجود ہیں۔

آج مغرب کے وضع کردہ انٹرنیٹ، خلائی ٹیکنالوجی اور موبائل کمیونیکیشن کا دور ہے۔ عوام و خواص کے لئے فاصلے سمٹ گئے ہیں، علوم تک رسائی میں لمحے لگتے ہیں۔ سرچ انجن گوگل میں لمحوں میں مطلوبہ انفارمیشن کے ہزاروں لنک مل جاتے ہیں۔ قبل مسیح سے لے کر ساتویں صدی تک کے یونانی مفکرین، محققین اور آرمینیائی تہذیب و ثقافت کے تذکرے ملتے ہیں۔ یہ سب نسخے اسکین شدہ شکل میں الیکٹرانک کاپی کی صورت آن لائن موجود ہیں۔ حیرت انگیز بات ہے کہ مسلمان محققین کی کتابوں کے اصل نسخے کی کوئی الیکٹرانک کاپی یا اسکین شدہ کاپی آن لائن موجود نہیں۔

کتاب ''الشفاء'' کا اصل مسودہ اس وقت آکسفورڈ یونی ورسٹی کی بوڈلین لائبریری اور تحقیقی مرکز میں رکھا ہے۔مگر آپ فریاد کریں بھی تو کس سے ــــ؟ اپنوں کو جگائیں تو مغربی اقدار، ثقافت وتمدن اور انگریزی زبان سے متاثر غلام قومیں سوچتی ہیں کہ ماضی کی خاک چھاننے میں وقت اور وسائل کو بے جا ضائع کیوں کریں ــــ؟ مگر مالی مفاد کے برعکس مقصد یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ علمی خلیج کو پاٹ دیا جائے تاکہ ہمارا احساس کم تری ختم ہو۔

مختصر یہ کہ جدید سائنس کے ارتقا میں مسلمان محققین کے کردار کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ افسوس کی بات ہے کہ ان دانش وراور محقق خواتین وحضرات کی تحقیق کو آنے والی نسلیں جاری نہ رکھ سکیں۔ موجودہ زمانے میں یہ تسلسل اس لئے بھی رک گیا کہ تحقیقی کام زیادہ تر عربی و فارسی میں کیا گیا اور ایک صدی سے تعلیمی نظام میں عربی و فارسی کی تعلیم میں کوئی دل چسپی نہیں دیکھی گئی لہٰذا آنے والی مسلمان نسلیں اپنے ورثے سے آگاہ نہ ہو سکیں۔

جدید سائنس کا علم انگریزی میں ہے اور اس بات سے سب واقف ہیں کہ علم کی کنہ تک رسائی کے لئے مادری زبان سے بہتر کوئی زبان نہیں۔ اس لئے جدید سائنس کی ترقی میں مسلمانوں کا کردار نظر نہیں آتا۔

ہم مثالوں اور حوالوں سے واضح کر چکے ہیں کہ تمام مادی علوم میں کارفرما قوانین الہامی علوم سے اخذ کئے گئے ہیں۔ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ نے کتاب ''لوح وقلم'' اور ''رباعیات'' میں طبیعیات اور مابعد النفسیات (پیرا سائیکالوجی) کے مابین تعلق کو واضح انداز میں پیش کیا ہے۔ان قوانین کا منبع آخری الہامی کتاب قرآن کریم ہے۔

اردو دان قارئین کی خوش قسمتی ہے کہ کتاب ''لوح وقلم'' اردو زبان میں تحریر کی گئی۔اگر قاری غیر جانب دار ذہن سے کتاب کا مطالعہ کرے، اس میں پیش کردہ حقائق کی کڑیوں کو جوڑنے کی کوشش کرے تو بین السطور معنی نہ صرف روشن ہو جاتے ہیں بلکہ قاری کے ذہن میں بننے والے نقوش جستہ جستہ اس طرح حرکت کرتے ہیں کہ ذہن مصنف کے ذہن سے ہم آہنگ ہونے لگتا ہے۔

روحانی فکر نوع آدم کا ورثہ ہے۔مسلسل توجہ اور تفکر سے روایتی ذہن اپنے ماخذ سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔یعنی جسم کی دل چسپیوں تک محدود سوچ لطیف ہو کر ارفع شعور کی طرف رجوع کرتی ہے۔ یہ کوشش آدمی کو مادی مکانیت سے نکال کر زمان کی جانب لے جاتی ہے۔

زمان ہم سے اوجھل ہے۔ظاہر وغیب میں لہر کا شعور ایک ہے۔ ہر لہر دوسری لہر کے معنی سمجھتی ہے۔

وضاحت کے لئے مثالیں پیش خدمت ہیں:

ا۔ ٹیلی کمیونیکیشن نظام: روایتی مواصلاتی نظام

میں آواز، تصاویر اور ویڈیو کو دور دراز تک نہیں بھیجا جاسکتا کیوں کہ آواز اور تصاویر وغیرہ کی فریکوئنسی انتہائی کم اور کثیف ہوتی ہے، اس لئے انہیں ہائی فریکوئنسی کی لہر میں بند کر کے نشر کیا جاتا ہے۔ یہ ہائی فریکوئنسی لطیف ترین یا انتہائی ہلکی ہونے کی وجہ سے دور گہرائی تک سفر کرتی ہے۔

مکانیت میں سوچ کی لہر زیادہ گہرائی سے اطلاعات وصول نہیں کر پاتی لیکن اگر سوچ ماحول سے بے نیاز ہوتو یکسو ذہن آزاد ہوجاتا ہے حتیٰ کہ وہ لطافت میں سفر کرنے لگتا ہے۔ باطنی علمائے کرام نے سوچ کی اس طرز کو مراقبہ کے نام سے متعارف کروایا ہے۔

محقق و موجد خواتین و حضرات اس فکر کو دانستہ یا نادانستہ استعمال کرتے ہیں۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر ان پر زمان و مکان کے راز منکشف ہونے لگتے ہیں لیکن یہ لوگ کائناتی ذہن سے ہم آہنگ نہیں ہیں، اس لئے منکشف ہونے والے رموز کا بڑا حصہ پردے میں رہ جاتا ہے اور جو کچھ سامنے آتا ہے اس کا نام آج کی سائنس و ٹیکنالوجی ہے۔

اگر محقق خود کو اس ہستی کے تابع کر کے کائنات میں غور و فکر کرے تو سوچئے کہ ایجادات کا کیا عالم ہوگا اور دنیا کہاں سے کہاں پہنچ جائے گی۔ بہرحال موجودہ محقق جب ذوق و شوق سے زمانی اطلاعات قبول کرتا ہے تو یہ اطلاعات خدوخال میں منتقل ہوتی ہیں۔ یہی آج کی سائنس و ٹیکنالوجی کی فکر ہے۔

زمانی اطلاعات کو قبول کر کے انبیائے کرام کے معجزات و ایجادات اور واقعات الہامی کتابوں میں ہیں۔ اسی طرح اولیائے کرام نے لاشعوری اطلاعات کو قبول کر کے کتنی کرامات اور علمی رموز کا انکشاف کیا ہے۔ یہ سب تاریخ کے پنّوں میں محفوظ ہے۔

زمان سے حاصل ہونے والی فراست اور معنویت کائنات کی رگ جان یعنی سورس آف لائف ہے۔ مکانیت کے مختلف مظاہرے ہیں۔ ہم اس سورس آف انفارمیشن سے آگاہ ہوکر کائنات کی مکانیت اور اس کے درجات کے فارمولے جان سکتے ہیں۔

آسمانی کتابوں میں حضرت سلیمانؑ کا واقعہ بیان ہے۔ قارئین عربی آیت پر ضرور غور کریں۔ یہاں ہمیں بہت سے ایسے نکات ملتے ہیں جن کا تعلق زمان و مکان سے ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے،

''اور دیکھو کہ سلیمانؑ کو بھی ہم نے آزمائش میں ڈالا اور اس کی کرسی پر ایک جسد لاکر ڈال دیا پھر اس نے رجوع کیا اور کہا کہ اے میرے رب مجھے معاف کر دے اور مجھے وہ بادشاہی دے جو میرے بعد کسی کے لئے سزاوار نہ ہو، بے شک تو ہی اصل داتا ہے۔''

(ص: ۳۴-۳۵)

درخواست کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ہوا، جنات اور دیگر مخلوقات پر اختیار عطا فرمایا۔ اللہ نے اپنی شان ربوبیت کے اظہار میں یہ بھی فرمایا،

''یہ ہماری بخشش ہے، تجھے اختیار ہے جسے چاہے دے اور جس سے چاہے روک لے، کوئی حساب نہیں۔'' (صٓ: ۳۹)

ترجمے پر غور کرنے سے یہ نکات روشن ہوتے ہیں:

★ چاہے کیسے بھی حالات سے گزریں، پیغمبرانہ طرزِ فکر یہ ہے کہ اللہ سے رجوع کرتے رہیں۔

★ درخواست کے لئے وھب کی معنویت استعمال کی گئی ہے۔

★ خالق کائنات کی صفت ''وھاب'' کو مخاطب کیا گیا ہے۔ بحیثیت اولادِ آدمؑ تمام نوع انسانی علم الاسما کی وارث ہے۔ پیغمبران کرام ان اسما کے استعمال سے واقف ہوتے ہیں۔

باطنی علمائے کرام بتاتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ کے واقعے میں زمان پر کنٹرول یا بادشاہی کی درخواست کی گئی ہے۔ کائنات کی بادشاہی کی کوئی حد نہیں۔ زمان سے اخذ ہونے والی کائنات، کائنات میں رہنے والی مخلوق، مخلوق کے حواس، جبلی وفطری خواص اور ان کی حرکات، سب حضرت سلیمانؑ کے تابع کر دی گئیں۔ حضرت سلیمانؑ کے واقعات میں سمندر، ہوا، جنات، چیونٹی، پرندے، ملکہ سبا کا تخت وغیرہ شامل ہے۔

مثالوں کو زمان ومکان کے سیاق میں بار بار غور سے پڑھیں، بہت سے اسرار کھلیں گے، انشاءاللہ۔

۲۔ حضرت موسیٰؑ اور سامری: رائج سائنس میں تخریبی طرزوں سے نوع آدم جن صعوبتوں کا شکار ہے، ہم اسے ٹیکنالوجی کے تخریبی استعمال کی شکل میں دیکھ سکتے ہیں۔ الہامی کتب میں ایسے منفی طرزِ فکر کے حامل محققین کا بھی ذکر ہے جنہوں نے کسی حد تک قدرتی نظام کی ایکویشن (مساوات) جانی اور اس کا استعمال کیا۔ جیسے حضرت موسیٰؑ کے قصے میں سامری کا کردار ہے۔ قرآن کریم میں ہے،

''اس نے جواب دیا میں نے وہ چیز دیکھی جو ان لوگوں کو نظر نہ آئی، پس میں نے رسول کے نقشِ قدم سے ایک مٹھی اٹھالی اور اس کو ڈال دیا۔ میرے نفس نے مجھے کچھ ایسا ہی سجھایا۔'' (طٰہٰ: ۹۶)

قارئین اس آیت پر غور کریں۔ سامری نے بحیثیت شاہد گہرائی میں مشاہدہ کیا اور پھر تجربہ کیا۔

سائنس کی تعریف یہی پڑھائی جاتی ہے کہ

''مشاہدات اور اس پر مبنی تجربات سے حاصل ہونے والا علم سائنس کہلاتا ہے۔''

ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ عمل خمیر ہی مظاہرے کو نقطے سے شروع کرتا ہے پھر درجہ بدرجہ بڑھاتا ہے حتیٰ کہ انتہا پر پہنچ کر شے زوال کی طرف سفر کرتی ہے۔

ایک سائیکل غیب حاضر غیب کا ہے۔ یہ سائیکل عروج کا ہے اور زوال کا بھی۔ مضمون میں دی گئی شکل میں دو عمودی لائنیں ایسی ہی حدود کا تعین کرتی ہیں۔

قرآن میں مثبت مظاہراتی نمو کا نظام اس طرح ہے۔

''لوگو! اگر تمہیں موت کے بعد زندگی کے بارے میں کچھ شک ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ ہم نے تم کو مٹی

سے پیدا کیا ہے، پھر نطفے سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر گوشت کی بوٹی سے جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بے شکل بھی۔ ہم جس کو چاہتے ہیں ایک وقتِ خاص تک رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر تم کو ایک بچے کی صورت میں نکال لاتے ہیں تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو۔ اور تم میں سے کوئی پہلے ہی واپس بلا لیا جاتا ہے اور کوئی بدترین عمر کی طرف پھیر دیا جاتا ہے تاکہ سب کچھ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانے۔ اور تم دیکھتے ہو کہ زمین سوکھی پڑی ہے پھر جہاں ہم نے اس پر مینہ برسایا کہ یکایک وہ پھبک اٹھی اور پھول گئی اور اس نے ہر قسم کی خوش منظر نباتات اگلنی شروع کر دی۔'' (الحج: ۵)

مضمون کی پہلی قسط میں تصویر دی گئی جو دراصل پورے مضمون کا خلاصہ ہے۔ تصویر کی تشریح پڑھیں۔

تشریح: اس میں قدرت کی اسپیس دکھائی گئی ہے۔ اطلاعات کا حصول بائیں جانب ہے۔ سمت کا تعین محض حوالے کے لئے کیا گیا ہے۔ اطلاع مظاہراتی خدوخال میں ڈھل کر دائیں جانب بڑھتی ہے۔ اطلاعات کہیں سے نشر ہو رہی ہیں، ان میں تعطل واقع نہیں ہوتا۔ جب یہ اطلاعات تنزل کر کے زمان کی حدود میں داخل ہوتی ہیں تو رنگوں میں بکھر جاتی ہیں۔ اطلاعات کے بکھرنے کا عمل ایک طرح سے پرزم کی کارستانی ہے جس سے گزر کر لطیف اطلاع پرزم کے ثقل کی وجہ سے سست اور نسبتاً کثیف ہو جاتی ہے۔ اطلاعات کے یک رنگی اور کثیر رنگی بہاؤ کو تصویر میں بغور دیکھا جا سکتا ہے۔

سست روی کے باعث تمام اطلاعات اپنے اندر مخفی پروگرام کو الگ الگ خدوخال اور نقوش میں ظاہر کرتی ہیں۔ تفصیلات نقطے سے پھیلتی ہوئی عروج تک پہنچتی ہیں۔ یہیں پر ڈائی مینشن نظر آتے ہیں۔ پھیلنے کی اس طرز کو ریاضی دان اینٹی لوگارتھم سے جانتے ہیں۔

تصویر میں پرزم کے بعد عمودی لائن ان حدود کو واضح کر رہی ہے جہاں خمیری عمل کے نتیجے میں خدوخال پھیلتے ہیں۔ تمام نقوش دائرے میں اپنی اسپیس میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ان میں چھوٹی اسپیس چیونٹی کی ہے اور بڑی سے بڑی اسپیس میں ہمارا ملکی وے یعنی کہکشانی نظام ہے۔

لوگارتھم اینٹی کلاک وائز چلنے والا عمل ہے۔ جب یہ نمبر پر متعین کیا جاتا ہے تو وہ انہیں اپنی اساس کی طرف سمیٹ لیتا ہے۔ یہ فکر کا ایسا زاویہ ہے جو ایک جست میں چھوٹی سے چھوٹی یا بڑی سے بڑی مقدار کا احاطہ کر لیتا ہے۔

ماسٹرز اور پی ایچ ڈی کے خواہش مند افراد اور محققین لوگارتھم کی اساس اور طبعی مظاہرات کے درمیان تعلق پر تحقیق کر سکتے ہیں — اور یہ بات ابھی تک تحقیقی جرائد، میگزین، رسالوں اور تھیسز میں نہیں ملتی۔ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ آٹھویں صدی محمد بن موسیٰ خوارزمی اس راز سے واقف تھا۔

عروج کے بعد یہ مظاہرہ سمٹتا ہے حتیٰ کہ نقطے کی شکل میں اپنی اسپیس میں غائب ہوتا نظر آتا ہے۔ انتہائی دائیں جانب عمودی لائن نقطے میں سمٹنے کے عمل کو دکھا رہی ہے۔ اس عمل کو لوگارتھم کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ نکات دوبارہ الٹے پرزم سے گزر کر نقطے میں جذب ہوجاتے ہیں۔

قدرت کی اسپیس سے متعلق اس تصویر میں کئی اسرار ہیں۔ مثلاً قارئین اس شکل کو کاغذ پر چوڑائی میں بنالیں پھر کاغذ کے دائیں اور بائیں کناروں کو آپس میں ایسے موڑ دیں کہ دونوں اطراف کی لائنیں (الٹے پرزم کے بعد اور سیدھے پرزم سے پہلے) آپس میں مل جائیں۔ کاغذ سلنڈر کی شکل اختیار کرلے گا۔ کاغذ کا تصویری رخ آپ کے سامنے ہونا چاہئے۔ غور کرنے پر انتہا اپنی ابتدا کی طرف پلٹتی ہوئی دکھائی دے گی۔

اب مضمون کا خلاصہ پڑھیں۔

۱۔ مظاہر کائنات کے پس پردہ فعال قوانین وضوابط کو ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ نے انتہائی سادہ الفاظ میں رباعی میں پرودیا ہے۔

باغوں میں جو قمریاں ہیں سب مٹی ہیں
پانی میں جو مچھلیاں ہیں سب مٹی ہیں
آنکھوں کا فریب ہے یہ ساری دنیا
پھولوں میں جو تتلیاں ہیں سب مٹی ہیں

۲۔ خدوخال مٹی کے ٹوٹنے ــــ ٹوٹ کے بکھرنے اور بکھر کر جڑنے کے مدارج ہیں۔

۳۔ تخلیق کی کوئی بھی مظاہراتی شکل ہو، اس کی ابتدا بیج سے ہوتی ہے۔

۴۔ خمیر شے کی نشوونما میں پھیلنے اور سکڑنے کا عمل ہے اور یہ عمل جاری وساری رہتا ہے۔ مقداروں میں ردّوبدل کو لوگارتھم کے نظام سے سمجھ سکتے ہیں۔

۵۔ خمیری عمل ہر مظاہرے میں اور ہر مرحلے پر الگ الگ رفتار سے وقوع پذیر ہے۔

۶۔ آدمی نے وقت کو جس طرح مادی طور پر تقسیم کیا ہے وہ دراصل آدمی کے احساس کی درجہ بندی ہے۔

۷۔ کاربن کیڑا ہے جو ہائیڈروجن سے ٹرانسفارمر کا کام لیتا ہے اور لطیف اطلاعات کے بہاؤ کو اتنا آہستہ کردیتا ہے کہ کاربن ان کو سمجھنا شروع کردیتا ہے۔

۸۔ تمام اشیا اپنی اسپیس یا مکانیت میں پیدا ہوتی ہیں اور غائب ہوجاتی ہیں۔

۹۔ ڈارک ایج * گزشتہ تین سو سالوں سے مسلم امہ پر چھائی ہوئی ہے۔

۱۰۔ رگِ جاں یا زندگی کے سورس آف انفارمیشن سے آگاہ ہوکر کائنات کی مکانیت اور مکانیت کے درجات کے فارمولے جان سکتے ہیں۔

(آخری قسط)

* اندھیر نگری

حماد علی شاہ

مجھ میں کمال یہ ہے کہ تصویر بول اٹھے

فغاںؔ نے عظیم آباد میں راجا شتاب رائے کے دربار میں ایک غزل کہی جس کا قافیہ لالیاں، جالیاں تھا۔ دربار میں جگنو نام کے مسخرے نے کہا، جناب! سارے قافیے باندھ دیئے مگر ''تالیاں'' رہ گیا۔

مشاعرہ برصغیر کی ادبی وثقافتی روایات کا حصہ ہے۔ مستند روایت موجود نہیں کہ اس کی تاریخ کتنی پرانی ہے البتہ جب زمین پر پہلی مرتبہ کسی نے جملے میں وزن کی ترتیب اور اختصار کا خیال رکھا ہوگا اور اس وقت موجود لوگوں نے اظہار بیان کے منفرد طریقے پر داد دی ہوگی تو اسے شعر اور مشاعرے کی غیر رسمی ابتدا کہا جاسکتا ہے۔

اردو شاعری کی بات کی جائے تو برصغیر کی تاریخ میں لکھنؤ اور دلّی ادب کے حوالے سے زیادہ مقبول ہیں۔ ان شہروں نے ادب کو بڑے بڑے شعرا سے نوازا۔

عارفانہ کلام کے لئے مقبول دلّی کے ممتاز شاعر حضرت خواجہ میر دردؔ کے یہاں باقاعدگی سے مشاعرہ ہوتا تھا۔ وہ سلسلہ نقشبندیہ سے منسلک تھے۔ اردو کے قدیم نام ریختہ کو مدنظر رکھتے ہوئے خواجہ میر دردؔ کے یہاں ہونے والے مشاعرے کو مراختہ کہا جاتا تھا۔

میر تقی میرؔ کی دلّی میں خواجہ میر دردؔ سے رسم و راہ بڑھی تو انہوں نے میر تقی کے فن ادب کو دیکھتے ہوئے کہا کہ تمہیں بھی مراختہ کا اہتمام کرنا چاہئے۔

دراصل یہ ایک بڑے شاعر کی عمر اور تجربے میں اپنے سے چھوٹے شاعر کی حوصلہ افزائی تھی کہ جب میر تقی میرؔ مراختہ کا انعقاد کریں گے تو حلقہ بڑھے گا اور عوام میں معروف ہوجائے گا۔

ابتدا میں صرف دلّی ادبی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ تہذیب وثقافت کے ضمن میں لکھنؤ کی حیثیت نمایاں ہوئی تو شاعری کی محفلیں بھی منعقد ہونے لگیں۔

ایک وقت ایسا آیا کہ جب دلّی کے رہنے والے شہنشاہ سخن میر تقی میرؔ نے یہ شہر چھوڑا تو سیدھے لکھنؤ آئے۔ سرائے میں قیام کیا۔ معلوم ہوا کہ آج فلاں مقام پر مشاعرہ ہے۔ شعر وشاعری خون میں رچی بسی تھی، سخن میں خداداد صلاحیت کے مالک تھے اور زمانے میں سکّہ منوا چکے تھے اس لئے خبر سن کر صبر نہ ہوسکا اور مشاعرے میں جا پہنچے۔

ان کی وضع قدیمانہ، کھڑکی دار پگڑی، پچاس گز کے گھیر کا جامہ، پورا تھان پستولیے کا کمر سے بندھا،

ایک رومال پٹڑی دار تہ کیا ہوا اس میں آویزاں مشروع کا پاجامہ جس کے عرض کے پائنچے، ناک ہنی کی انی دار جوتی جس کی ڈیڑھ بالشت اونچی نوک، کمر میں ایک طرف سیف یعنی تلوار، دوسری طرف کٹار ہاتھ میں جریب ـــ غرض شریک محفل ہوئے تو نیا شہر، نئے انداز، نئی تراش کے بانکے ٹیڑھے جوان انہیں دیکھ کر ہنسنے لگے۔

میر تقی میرؔ بیچارے غریب الوطن زمانے کے ہاتھوں پہلے ہی دل شکستہ تھے، تضحیک پر دل تنگ ہوا اور ایک طرف خاموش بیٹھے رہے۔اس دوران کسی نے شرارت کی غرض سے شمع ان کے سامنے رکھ دی۔

صدرِ مشاعرہ نے پوچھا، حضور کا وطن کہاں ہے؟

میر تقی میرؔ نے یہ قطعہ فی البدیہہ کہہ کر طرحی غزل میں داخل کیا۔

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو!
ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
دلّی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب
رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
اس کو فلک نے لوٹ کر ویران کر دیا
ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

معلوم ہوا کہ شہنشاہ سخن میر تقی میرؔ ہیں تو صبح ہونے سے پہلے لکھنؤ میں خبر پھیل گئی۔اس وقت کے نواب آصف الدولہ کو معلوم ہوا کہ میر تقی میرؔ تشریف لائے ہیں تو دوسو روپے ماہوار وظیفہ مقرر کیا۔میرؔ نے دلّی میں قیام کے دوران اس شہر کو اجڑتے دیکھا تھا اس لئے اس قطعے میں اپنے شہر کی تباہی کا رنج بھی ہے۔

ادبی محفلوں میں ایک طرز طرحی مشاعرہ مقبول ہے۔ اس کی تعریف میں پروفیسر انور جمال کی تصنیف ''ادبی اصطلاحات'' میں لکھا ہے،

''یہ ایک شعری اصطلاح ہے جس سے مراد گرانا، دور کرنا، بنیاد ڈالنا، طرح دینا (ٹالنا) اور اصطلاحاً گفتگو میں مدد دینا ہے۔طرح، مصرعۂ طرح اور طرحی نشست سب مشاعرے کی روایت سے متعلق اصطلاحیں ہیں۔ کسی محفل مشاعرہ میں شعرا کو خاص زمین میں شعر گوئی کے لئے پابند کیا جاتا ہے۔اسے طرحہ، مصرعہ طرح یا طرحی مصرعہ کہتے ہیں۔گویا اس مشاعرے میں شاعر اپنی آزادی سے زمین کا انتخاب نہیں کر سکتے۔وہ پہلے سے دیئے گئے مصرعے کے نظامِ ردیف وقافیہ سے بحر کے مطابق غزلیں لکھیں گے۔مثلاً یہ کہ

''دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے''

غالب کا مصرعہ، طرح کے طور پر دیا جائے تو شعرا پر یہ پابندی ہوگی کہ وہ ''ہوا'' کو قافیہ اور ''کیا ہے'' کو ردیف بنا کر شعر گوئی کریں اور اسی مصرعے کی بحر کو بنیاد بنائیں۔مشاعرہ جس میں مصرعہ طرح دیا جائے، اسے طرحی مشاعرہ یا طرحی نشست کہتے ہیں۔''

شعری اصطلاح میں ردیف سے مراد وہ لفظ یا الفاظ جو قافیے کے بعد یکساں ہو۔ہر مصرعے میں ردیف کا ہونا لازمی نہیں۔عام طور پر یہ مصرعہ ثانی میں دہرایا جاتا

ہے۔قافیہ شعر کے آخر میں ہم آواز الفاظ کو کہتے ہیں اور یہ شعر کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

شعر میں کا ردیف ہے، تحریر اور تصویر قافیے ہیں۔

طرحی مشاعرہ ایک طرح سے شعرا کے درمیان مقابلہ ہے کہ کون منتخب ''زمین'' پر بہتر الفاظ ترتیب دے سکتا ہے۔شعرا اس مقابلے میں ایک ایک لفظ پر جان لڑا دیتے تھے۔ان مشاعروں کی حیثیت آزمائشی امتحان تھی کیوں کہ شعر میں نقص رہ جاتا تو فوراً نشان دہی کی جاتی تھی۔لہٰذا یہ محفلیں پہلے سے تیار کی گئی غزلوں کے بجائے تخلیقی صلاحیت بالخصوص تخیل کی نشوونما کا بہترین ذریعہ تھیں۔

طرحی مشاعروں نے اردو ادب کو کئی ضرب المثل مصرعے دیئے۔جیسے کہ

''وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے''

کہتے ہیں کہ دلّی کے ایک مشاعرے میں انشاء اللہ خاں انشاؔ اور راسخؔ عظیم آبادی کا مقابلہ ہوا تھا جس میں یہ ضرب المثل مصرع سامنے آیا اور بہت مقبول ہوا۔

ایسا بھی ہوا کہ ایک ''زمین'' پر سال بھر مشاعرے ہوتے رہے۔جیسے اٹھارویں صدی کے ممتاز شاعروں میں سے ایک شاہ نصیرؔ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے سنگلاخ زمین میں غزل لکھی ''قفس کی تتلیاں نفس کی تتلیاں'' اور جذبات کی رو میں یہ کہہ دیا کہ پورے سال اس زمین میں مشاعرے ہوں۔مشاعرے ہوئے جن میں تتلیاں اڑیں اور دیگر اڑنے والے حشرات کا بھی تذکرہ آیا۔

نواب اشرف علی فغاںؔ ــــ بذلہ سنجی ولطیفہ گوئی میں اپنی مثال آپ اور میر تقی میرؔ کے ہم عصر تھے۔فغاںؔ نے عظیم آباد میں راجا شتاب رائے کے دربار میں ایک غزل کہی جس کا قافیہ لالیاں، جالیاں تھا۔وہاں حاضر سخن فہموں نے خوب پذیرائی کی۔دربار میں جگنو نام کا مسخرہ تھا۔اس نے بے ساختہ کہا، جناب! سارے قافیے باندھ دیئے مگر ''تالیاں'' رہ گیا۔

نواب اشرف علی فغاںؔ نے بات ٹال دی۔

راجا منتظر تھا۔جواب نہ پا کر خود متوجہ کیا کہ نواب صاحب آپ نے سنا جگنو میاں کیا کہہ رہے ہیں؟

وہ بولے، مہاراج تالیاں کے قافیے کو مبتذل سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔حکم ہو تو اب قافیہ باندھ دیتا ہوں۔

راجا شتاب نے کہا، کچھ تو کہنا چاہئے۔

نواب اشرف فغاںؔ نے اسی وقت پڑھا،

جگنو میاں کی دم جو چمکتی ہے رات کو
سب دیکھ دیکھ اس کو بجاتے ہیں تالیاں

دربار میں قہقہے گونجے اور جگنو میاں بجھ سے گئے۔

اردو ادب میں ممتاز نام مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ

ہے۔ان کا اردو اور فارسی دونوں میں سکّہ ہے البتہ موجودہ دور میں اردوئے معلیٰ سے ناواقفیت سے زبان جس نہج پر پہنچ چکی ہے اس میں فارسی تو فارسی، غالبؔ کی اردو شاعری بھی آج لوگوں کے لئے فارسی ہے۔

ویسے تو غالبؔ اپنے دور میں بھی لوگوں کے لئے مشکل رہے لیکن یہ سب نے مانا کہ وہ اس فن میں استاد ہیں۔ غالبؔ کی مشکل پسندی پر تنقید کرتے ہوئے ان کے ہم عصر شاعر حکیم آغا جان عیشؔ نے مشاعرے میں طرحی غزل پڑھی،

اگر اپنا کہا تم آپ ہی سمجھے تو کیا سمجھے
مزا کہنے کا جب ہے اک کہے اور دوسرا سمجھے
کلامِ میرؔ سمجھے اور زبانِ میرزاؔ سمجھے
مگر ان کا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

کہتے ہیں کہ غالبؔ نے اس کا جواب دیا تھا۔

لکھنؤ میں طرحی مشاعروں کے سبب مسابقت کی فضا کو فروغ ملا لیکن شعرا اپنے اساتذہ کا بہت احترام کرتے تھے۔ زبان کے ادب کے ساتھ انہیں رویوں کے ادب کا بھی پاس تھا کیوں کہ رویوں میں احترام ہو تو زبان خود بخود با ادب ہو جاتی ہے۔

حیدر علی آتشؔ کسی مشاعرے میں دیر سے پہنچے۔ شمع ان کے استاد شیخ غلام ہمدانی مصحفیؔ کے سامنے تھی۔

مرزا غالبؔ کے ہم عصر شاعر امام بخش ناسخؔ نے مسابقت کے پیش نظر ایک نوجوان کی طرف اشارہ کر کے حیدر علی آتشؔ سے کہا، آتشؔ صاحب آپ دیر میں تشریف لائے۔ اس بچے نے جو مطلع پڑھا وہ لاجواب ہے۔

ناسخؔ نے یہ کہہ کر شمع غلام مصحفیؔ کے سامنے سے اٹھائی اور لڑکے کے سامنے رکھتے ہوئے بولے، ہاں میاں پڑھو۔ لڑکے نے پڑھا:

جس کم سخن سے میں کروں تقریر بول اٹھے
مجھ میں کمال یہ ہے کہ تصویر بول اٹھے

حیدر علی آتشؔ کو استاد مصحفیؔ کے سامنے سے اس طرح شمع اٹھایا جانا سخت ناگوار گزرا اور کہے بغیر نہ رہ سکے، واہ شیخ صاحب! ایسے مطلع پر داد و تحسین جس میں نقص اتنا واضح ہے؟

پھر لڑکے سے بولے، یہاں تصویر کم سخن نہیں ہوتی اس طرح پڑھو:

جس بے زباں سے میں کروں تقریر بول اٹھے
مجھ میں کمال یہ ہے کہ تصویر بول اٹھے

یہ ایک مثال ہے کہ کس طرح حریف کو ترکی بہ ترکی ادبی زبان میں موثر طریقے سے جواب دیا جاتا تھا۔ نوک جھونک میں علم و ادب کو ہمیشہ مدنظر رکھا گیا۔

مولانا حسین آزادؔ نے ایک واقعہ لکھا ہے۔

''آتشؔ نے شعر پڑھا۔

دختر رز مری مونس ہے مری ہمدم ہے
میں جہانگیر ہوں وہ نور جہاں بیگم ہے

اس شعر پر سامعین سے اعتراض ہوا کہ 'بیگم' ترکی لفظ

ہے اور اس زبان میں گاف پر پیش بولا جاتا ہے، بیگُم۔ نیز فارسی میں بھی اس لفظ کا یہی کلیہ ہے۔ خواجہ آتش کہنے لگے کہ 'ہم ترکی نہیں بولتے۔ ترکی بولیں گے تو اس وقت ضرور بیگُم کہیں گے۔

(کتاب: آب حیات)

انشاءاللہ خاں نے اس اصول کی وضاحت کی ہے۔

''جو لفظ اردو میں آیا وہ اردو ہو گیا۔ خواہ وہ فارسی، ترکی ہو یا سریانی، پنجابی ہو یا یورپی، اصل کی رو سے غلط ہو یا صحیح، وہ لفظ اردو کا لفظ ہے۔ اگر اصل کے موافق مستعمل ہے تو بھی صحیح اور اگر اصل کے خلاف ہے تو بھی صحیح۔ اس کی صحت اور غلطی اس کے اردو میں رواج پکڑنے پر منحصر ہے۔ کیوں کہ جو چیز اردو کے خلاف ہے وہ غلط ہے۔ گو کہ اصل میں صحیح ہو اور جو اردو کے موافق ہے وہی صحیح ہے۔ خواہ اصل میں صحیح نہ بھی ہو۔'' (کتاب: دریائے لطافت)

1857ء کے بعد مشاعرے کی روایت دلّی اور لکھنؤ سے نکل کر قریب و دور دیگر علاقوں میں پھیلی اور کسی کا شعر سن کر اپنا رنگ دینے کی روایت ان علاقوں میں بھی کام یاب رہی۔

ادب کی ایک محفل میں داغؔ نے مطلع پڑھا:

یہ تری چشم فسوں گر میں کمال اچھا ہے
ایک کا حال برا، ایک کا حال اچھا ہے

شمع جلال لکھنوی وہاں موجود تھے۔ آگے بڑھے اور شعر کو اس طرح ڈھالا،

دل مرا آنکھ تری دونوں ہی بیدار مگر
ایک کا حال برا ایک کا حال اچھا ہے

اسی طرح کپور تھلے میں طرحی مشاعرہ تھا۔ مصرع تھا،

گزرا پھر اس طرف سے کوئی دیکھتا ہوا

ایک شاعر اسٹیج پر تشریف لائے اور مطلع کہا،

جو عاشقی میں خاک ہوا کیمیا ہوا

سامعین ان کی دیدہ دلیری پر حیران ہوئے کیوں کہ یہ مصرع داغؔ دہلوی کا تھا۔ شاعر صاحب نے داغؔ صاحب کے احترام میں شعر اس طرح مکمل کیا،

جو عاشقی میں خاک ہوا کیمیا ہوا
گلزار داغؔ میں ہے یہ مصرع لکھا ہوا

طرحی مشاعروں کا سلسلہ بیسویں صدی میں کچھ عرصے جاری رہا پھر اپنے علاقے اور شہر کے بجائے ملکی سطح کے مشاعروں کو فروغ دیا جانے لگا جس سے ادبی محفلیں آہستہ آہستہ ماند پڑتی گئیں۔ یہاں تک کہ وہ طرز ادب یعنی طرحی مشاعرہ جو محفل کی روح اور اصلاح کا ذریعہ تھا، اس کا رواج آٹے میں نمک کے برابر رہ گیا۔

اب مشاعرے میں شعرا اپنا بہترین کلام پڑھنے لگے جسے وہ ہر دوسرے مشاعرے میں دہراتے۔ نتیجے میں شاعری میں جدت ناپید ہوئی، تازہ غزلیں کم ہو گئیں اور معروف کلام دہرایا جانے لگا۔ طرحی مشاعرے نہ ہونے سے نوآموز شعرا کی ادبی ماحول میں تربیت نہیں ہوئی اور

شاعری کا معیار نہ ہونے کے برابر رہ گیا۔

ذہن بدلنے کے ساتھ روایتیں بدل جاتی ہیں۔ مطالعہ کم ہونے سے شعروشاعری پڑھنے کا رجحان متاثر ہوا ہے لیکن شاعری ختم نہیں ہوئی۔ یہ مشرق کی فطرت میں گندھی ہوئی ہے۔

طرحی مشاعروں پر تحقیق کے دوران ہماری نظر سے ایک دل چسپ مشاعرے کی روداد گزری۔ یہ مشاعرہ 1914ء میں لورا لائی (بلوچستان ۔ پاکستان) میں منعقد ہوا۔ قارئین کے لئے مختصر پیش ہے۔

مشاعرہ کا مصرع اس طرح تھا:

آخر انسان ہیں ہم بھی تو زباں رکھتے ہیں

جو اشعار سامنے آئے ان میں سے دو یہ ہیں،

۱۔ منشی فتح چند نسیمؔ:

تری خجلت تری رسوائی کا دھیاں رکھتے ہیں
ورنہ کب ضبط کی ہم تاب رکھتے ہیں
اے نسیمؔ چمنی یار سے میرے کہدے
نے پتہ رکھتے ہیں اپنانے نشاں رکھتے ہیں

۲۔ محمد یوسف خان یوسفؔ

کیسے دیوانے زمانہ کے ہیں عاشق سارے
خشک باتوں میں بھی وہ چرب زباں رکھتے ہیں
دے دیا میں نے آخر کو نہ رکھا یوسفؔ
دل میرا لے کے میں دیکھوں تو کہاں رکھتے ہیں

جو ترے آستاں سے اٹھتا ہے
رنگ و بو کے جہاں سے اٹھتا ہے
منزلیں اس غبار میں گم ہیں
جو ترے کارواں سے اٹھتا ہے
غور سے سن اسے کہ یہ نالہ
میرے قلب تپاں سے اٹھتا ہے
یہ کسی اور آگ کا ہے دھواں
یا مرے آشیاں سے اٹھتا ہے
ہے منافق وہی کہ جس کا خمیر
فکر سود و زیاں سے اٹھتا ہے
پھر کہاں اس کے دل کو چین و قرار
جو ترے درمیاں سے اٹھتا ہے
کچھ تعلق نہیں مکاں سے اسے
شور یہ لامکاں سے اٹھتا ہے
گردِ مہتاب ہے فلک کا غبار
یا کسی کہکشاں سے اٹھتا ہے
زندگی ہے کہ بلبلہ کوئی
سطحِ آب رواں سے اٹھتا ہے
آہی جائیں گے حسبِ وعدہ وہ
اعتبار اس گماں سے اٹھتا ہے
لوح محفوظ میں ہے سب مرقوم
کون، کس دن، کہاں سے اٹھتا ہے
منتظر ہوں حفیظؔ کب پردہ
راز کون و مکاں سے اٹھتا ہے

★ یہ میر تقی میرؔ کے کلام ''یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے'' پر شاعر حفیظ الرحمٰن کی طرحی غزل ہے۔

سورج عورت ہے ــــ؟

ہم دیکھتے ہیں کہ ماچس میں کہیں آگ نہیں ہوتی اور نہ ہی آگ کا خطرہ ہوتا ہے لیکن جب ہم ماچس کی تیلی کے حصے کو جس پر گندھک ملا آمیزہ ہوتا ہے کسی چیز پر رگڑتے ہیں تو رگڑ سے حرارت پیدا ہوتی ہے اور اتنی سی حرارت سے آگ اپنے معرض پر شعلہ بن کر ظاہر ہو جاتی ہے۔

کائنات میں مادی موجودات کے وجود کا سبب چار بنیادی عناصر تسلیم کئے گئے ہیں۔ان میں سب سے فعال اور تباہ کن عنصر آگ ہے۔ باقی تین عناصر مٹی، ہوا اور پانی کو ہم دیکھ سکتے ہیں لیکن آگ پوشیدہ عنصر ہے جسے ہم دیکھ نہیں سکتے جب تک وہ اپنے معرض (ظاہر کرنے کی جگہ) پر ظاہر نہ ہو۔ یہ عنصر دوسرے عناصر کی طرح جلی نہیں خفی حالت میں اپنا کردار ادا کرتا ہے اور پوشیدگی میں رہتا ہے۔ اجسام میں موجود ایسی آگ کو حرارت طبعی و خلقی کہتے ہیں۔سائنسی اصطلاح میں حرارہ ایسی ہی خفیف آگ کے عمل کو کہا جاتا ہے۔

آگ کا منبع، مخرج، ماویٰ اور مرکز سورج کو کہا جاتا ہے۔شاید آگ کے اس گولے کو اس مادی اور حیاتیاتی دنیا سے اسی لئے بہت دور رکھا ہے تاکہ وہ کرہ ارض اور اس پر پھیلی حیات کو بھسم نہ کر دے جب کہ مٹی ہوا اور پانی ہمارے نزدیک موجود ہیں۔ آگ ان تینوں عناصر پر ایک غالب عنصر ہے۔

آگ ہر مادی جسم میں حسب ضرورت موجود رہتی ہے۔ وہ اپنی کم سے کم مقدار میں جسے ہم حرارت کہتے ہیں وجود رکھتی ہے۔حرارت ہر جسم کو فعال متحرک اور زندہ رکھنے کا ذریعہ ہے۔ یہ جب تک اپنے معرض پر ظاہر نہ ہو ہمیں نظر نہیں آتی۔ اس لئے جب انسان پیدا ہوا تو اس کے فوائد سے آگاہ نہ تھا۔

آگ کے معرض : آگ کے بہت سے معرض ہیں۔یعنی وہ اشیا جن پر آگ شعلہ بن کر ظاہر ہوتی ہے بالکل اسی طرح جس طرح برقی رو جن اشیا سے گزر سکتی ہے انہیں ''موصل'' کہا جاتا ہے۔ہم برقی رو کو نہیں دیکھتے صرف اس کے عمل کو محسوس کرتے ہیں۔اس کے بہت سے معرض نہیں ہوتے وہ صرف ایک معرض پر روشنی بن کر ظاہر ہوتی ہے اور اشیا کو جلا سکتی ہے۔

جسم کے اعتبار سے آگ کے معارض مختلف ہوتے ہیں۔بعض بہت کم حرارت سے متاثر ہو کر جل اڑتے

ہیں اور بعض کو اس سے زیادہ حرارت کی ضرورت پڑتی ہے۔ سب سے زیادہ حساس معرض جو کم سے کم حرارت کو قبول کر کے جل اٹھتا ہے فاسفورس بتایا گیا ہے۔ اسے عربی میں کبریت، فارسی میں گوگرد اور اردو میں گندھک کہتے ہیں۔ یہ انتہائی حساس آتش گیر مادہ ہے اور زمین کی تہ میں پایا جاتا ہے۔ اب انسان نے اسے دریافت کر لیا ہے اور وہ اسے ایسے کاموں میں استعمال کرتا ہے کہ اس کے ذریعے حسب ضرورت آگ پیدا کر سکتا ہے۔ ماچس اسی سے بنائی جاتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ماچس میں کہیں آگ نہیں ہوتی اور نہ ہی آگ کا خطرہ ہوتا ہے لیکن جب ہم ماچس کی تیلی کے حصے کو جس پر گندھک ملا آمیزہ ہوتا ہے کسی چیز پر رگڑتے ہیں تو رگڑ سے حرارت پیدا ہوتی ہے اور اتنی سی حرارت سے آگ اپنے معرض پر شعلہ بن کر ظاہر ہو جاتی ہے۔

گندھک کا آمیزہ لکڑی کی ایسی حساس قسم کی تیلی پر ہوتا ہے جس پر شعلہ فوراً منتقل ہو جاتا ہے اور تیلی کے جل کر ختم ہوتے ہی شعلہ غائب ہو جاتا ہے۔ اسے اسی طرح وجود میں پھر لایا جا سکتا ہے۔ انسان کی ابتدائی زندگی میں یہ صورت بہت مختلف تھی اور وقت طلب بھی۔

زمین کے جن حصوں میں فاسفورس یا گندھک زیادہ پائی جاتی ہے وہاں پیدا ہونے والے بعض درخت اسے غذا کے طور پر کشید کرتے تھے۔ یا یہ کہا جائے کہ ان کی زمینی غذا کے ساتھ فاسفورس بھی درختوں میں منتقل ہو جاتی تھی اور جب ہوا چلنے سے اس مخصوص درخت کی شاخیں آپس میں رگڑ کھاتیں تو ان سے چنگاریاں نکلتی تھیں اور فضا میں غائب ہوتی رہتی تھیں۔ پتّوں اور شاخوں کے نم آلود ہونے کے سبب درخت میں آگ نہیں لگتی تھی۔ نمی اور حرارت، پانی اور آگ متضاد عنصر ہیں۔ یہ ایک دوسرے کو قبول نہیں کرتے۔

جنگلوں میں اچانک آگ بھڑک اٹھنے کی وجہ یہی فاسفورس بتائی جاتی ہے۔ فاسفورس نباتاتی غذا کے ذریعے جسم میں پہنچ کر حرارت برقرار رکھتی ہے۔ اس کی زیادہ مقدار بالوں میں ہوتی ہے اس لئے بال بہت تیزی سے آگ پکڑتے ہیں۔

چنار نامی درخت کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ اس میں پھل نہیں آتا۔ یہ زیادہ پھیلاؤ رکھتا ہے۔ اس کے پتّے انسانی پنجے کے مشابہ اور اس کی عمر ایک ہزار سال ہوتی ہے۔ اس درخت سے رات کی تاریکی میں چنگاریاں اڑتی نظر آتی ہیں۔ یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس طرح کا درخت روئے زمین پر آج ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو اس سے چنگاری نکلتی ہے یا نہیں لیکن بہرحال محققین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ آگ کی دریافت درخت کی شاخوں کے رگڑنے سے ہوئی تھی۔ قرآن بھی یہی کہتا ہے۔

''وہی ہے جس نے تمہارے لئے ہرے بھرے درخت سے آگ پیدا کر دی اور تم اس سے اپنے چولہے روشن کرتے ہو۔'' (یٰسٓ:۸۰)

تقریباً پچاس ہزار سال قبل مسیح جنگلی آدمی نے درختوں سے آگ نکلتے دیکھی، اس سے پہلے وہ صرف بادلوں میں بجلی کی گرج اور چمک دیکھ کر خوف زدہ ہوجاتا تھا مگر آگ کی حقیقت اور فوائد کو نہیں سمجھ پایا۔ رات کی پُرخوف تاریکی میں جب اس نے درختوں سے نکلنے والی چنگاریوں کی روشنی دیکھی تو وہ بہت متاثر ہوا اور شاخوں کو آپس میں رگڑ کر تجربہ کیا جو کام یاب رہا۔ اس نے جلد ہی خشک پتوں کو آگ کے حساس معرض کے طور پر دریافت کرلیا۔ اب وہ حسب ضرورت آگ حاصل کرسکتا تھا۔ اس دور کی ایک تحقیق سے اس امر کے ثبوت مہیا ہوگئے ہیں۔ چناں چہ نیل سے 650 میل دور جنوب میں جزائر فلپائن کے دور دراز پہاڑی علاقے میں سائنس دانوں نے ایک ایسا قبیلہ دریافت کیا ہے جو نئی تہذیب سے نا آشنا ہے اور وہی بود و باش اختیار کئے ہوئے ہے جو پتھر کے دور میں تھی۔ یہ لوگ سرخی مائل رنگ رکھتے اور لنگوٹی باندھتے ہیں۔ خوراک کا ذخیرہ کرنے کے عادی ہیں اور نمایاں بات یہ ہے کہ وہ درختوں کی ٹہنیوں کی رگڑ سے آگ حاصل کرتے ہیں۔ وہ ماچس سے واقف نہیں ہیں۔

انکشاف کے بعد آگ کی دریافت نے غیر مہذب انسانی زندگی میں مفید و عظیم انقلاب کی بنیاد ڈالی۔ ان کی پُرخوف تاریک راتیں روشن اور پُرسکون بن گئیں۔

آگ سے فائدہ اٹھانے اور اس کے بے ضرر استعمال کے طریقے ایک عورت نے ایجاد کئے تھے۔ دراصل آگ کی ضرورت مرد سے کہیں زیادہ عورت کو تھی۔ دوسرا یہ کہ برفانی ماحول اور ٹھنڈی ہواؤں کا مقابلہ نہیں کرسکتے تھے۔ ایسے موسموں میں کم عمر بچوں کی کافی تعداد موت کے منہ میں چلی جاتی تھی۔ عورت نے غاروں اور جھونپڑوں کو رات کے وقت گرم رکھنے کے لئے زمین میں گڑھا کھود کر آگ روشن رکھنے کا طریقہ ایجاد کیا۔ کھلے میدانوں میں آگ روشن رکھ کر درندوں سے بچاؤ کا بھی بندوبست کیا گیا۔ وہ سارا دن غذا کے ساتھ سوکھی لکڑیاں بھی جمع کرکے لاتی تھیں۔

روشنی کے لئے دیے اور مشعل کی ابتدا عورتوں سے ہوئی۔ آگ سے حسب ضرورت حرارت کے استعمال کے کم و بیش طریقے عورت نے ایجاد کئے۔ مثلاً بیمار بچے کو حرارت پہنچانی ہوتی تو وہ کپڑے، روئی یا اون کے گچھے کو گرم کرکے بچے کے جسم سے مس کرتی تھی۔ جنگل سے خوراک تلاش کرتے یا گھر سے باہر کوئی کام کرتے ہوئے سردی سے بچاؤ کے لئے آگ کو جسم کے ساتھ رکھنے کا طریقہ بھی عورت نے دریافت کیا۔ وہ کام کے دوران آگ کو اپنے ساتھ رکھتی تھی۔ کشمیر کے سرد برفانی علاقوں میں یہ برتن اب بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس میں انگارے رکھ کر گلے میں لٹکا لیا جاتا ہے، اسے کشمیری زبان میں کانگڑی کہتے ہیں۔

آگ کی حرارت سے سخت اور ثقیل غذاؤں کو نرم

اور قابل بنانے کی ترکیب عورت کی ایجاد ہے۔ دو مختلف غذاؤں کو ملا کر پکانے اور کھانے میں دہرا لطف اٹھانے کی طرف سب سے پہلے عورت نے توجہ دی تھی۔ اگرچہ تیس ہزار سال قبل مسیح چقماق دریافت ہو چکا تھا، یہ خاص قسم کا پتھر رگڑ کھانے سے چنگاری پیدا کرتا ہے کہ اس سے بھی آگ حاصل کی جاتی تھی لیکن لکڑی یا پتھر کی رگڑ سے آگ جلا لینا آج کی طرح ماچس سے آگ جلانے کی طرح آسان نہ تھا۔ پھر ایسے درخت کی لکڑی اور چقماق کا حصول ہر وقت ہر جگہ ہر شخص کے لئے آسان نہ تھا۔

جب انسان نے نقل مکانی شروع کی تو آگ کا ہر وقت جلتے رہنا، اس کا محفوظ رکھنا اور سفر میں ساتھ لے جانا ضروری ہو گیا۔ چوں کہ یہ عورت کی بڑی ضرورت تھی اور اس کا استعمال عورت ہی جانتی تھی اس لئے یہ فرض عورت نے اپنے ذمے لیا اور آگ کو ہر وقت جلتے رکھنے یا اسے محفوظ کرنے یا سفر میں ساتھ لے جانے کے طریقے ایجاد کئے۔

جلی لکڑی کو مٹی میں دبا کر دہکتے انگاروں پر پانی چھڑک کر یا انہیں ٹھنڈی مٹی میں دفن کر کے کوئلا بنانا اور پھر اسے حسب ضرورت استعمال کرنے کا طریقہ عورت نے معلوم کیا۔ جلتی لکڑیوں یا انگاروں کو گرم راکھ میں دبا کر محفوظ کرنا عورت کی ایجاد ہے۔

جانوروں کے پالنے کی ابتدا خواتین نے کی تھی۔ اس لئے گائے، بھینس، بکری، گھوڑے اور گدھے کے فضلے کا صحیح استعمال بھی ایک خاتون نے شروع کیا۔ وہ اس کے ذریعے آگ کو حاصل کرتی اور اسے محفوظ بھی اسی کی راکھ میں کرتی تھی۔ اس نے فضلے یا گوبر کو گھر کی لپائی میں استعمال کر کے گھر کو صاف ستھرا رکھنا سکھایا۔ گوبر کو آج بھی دیہات میں خواتین اس مقصد کے لئے استعمال کرتی ہیں۔ بعد میں جب آگ کو مقدس سمجھا اور اس کی پرستش کی جانے لگی تو جو عورت آگ کو بجھا دیتی یا اسے قائم رکھنے میں غفلت برتتی، روم کے قدیم لوگ اسے موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔

آسٹریلیا کی وحشی اقوام کا اب بھی یہ عقیدہ ہے کہ سورج ایک عورت ہے جو آگ کو محفوظ کئے ہوئے ہے اور اسے بجھنے نہیں دیتی۔ جب وہ اسے روشن رکھنے کے لئے اس میں ایندھن ڈالتی ہے تو شعلے بلند ہوتے ہیں اور زمین پر گرمی بڑھ جاتی ہے۔ عرب بھی شمس کو مونث کہتے ہیں۔ شمس عربی قواعد زبان میں مونث اسم ہے۔

ایک اندازے کے مطابق تین ہزار سال قبل مسیح تک آگ کا استعمال خواتین کے ہاتھوں میں رہا۔ اس کے بعد اس کا استعمال مرد نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور دھاتوں کو پگھلا کر اشیا بنانا شروع کیں۔ 766 قبل مسیح میں یونانیوں نے اولمپک گیم شروع کئے تو عورت کی ایجاد کردہ مشعل خاص طور پر مخصوص مفہوم و عمل کے ساتھ استعمال کی گئی۔

خان بہادر

زمانے کے انداز بدلے گئے

اس گھر میں تین نہیں تو کم از کم دو نسلیں ضرور رہ رہی ہیں اور وہ آنے والی نسل کی تربیت کریں گی۔ انہوں نے اس کاروبار کو غلط نہیں سمجھا۔ کیا یہ نظر انداز کرنے والی بات ہے ــــ؟

بچہ پیدا ہوا تو بن کہے ہر آرزو پوری ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اجرت کے بغیر دو خدمت گار یعنی اماں اور ابا دیئے جنہوں نے واجبی تو واجبی ، غیر واجبی خواہشات بھی پوری کیں۔ ماں باپ نے دن رات ایک کر کے پڑھایا لکھایا اور ذمہ داری پوری کرنے کے قابل بنایا۔ پھر شادی کی، وہ والدین اور بیوی میں توازن قائم نہ رکھ سکا، بال بچے ہوئے تو ذمہ داریوں میں ایسا گم ہوا کہ زمین پر اپنی پہلی درس گاہ سے غافل ہو گیا۔

اماں ابا کی تاریخ دہراتے ہوئے اولاد کے لئے دن رات ایک کر دیئے۔ اس امید پر بچوں کی پرورش کی کہ بڑھاپے میں کام آئیں گے لیکن جس طرح یہ اپنے ماں باپ کے کام نہیں آیا، اولاد بھی اس کے کام نہ آئی اور عمر گزر گئی۔ کہانی ہر دور میں خود کو دہراتی ہے۔ چہرے بدلتے ہیں لیکن کردار ایک ہے۔ وہی اماں ابا وہی بچے ــــ بچے ماں باپ بنے، ان کے بچے ہوئے وہ بھی بال بچوں والے ہوئے۔ ہر ماں باپ نے سمجھا کہ یہ بڑا ہو کر ہماری خدمت کرے گا لیکن بچہ بڑا ہو کر اپنے بچوں کی خدمت میں مصروف ہو گیا۔ بھول بھلیوں میں والدین سے تعلق واجبی رہ گیا۔ آدمی نے جو غلطیاں کیں وہ ان کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ یہ بھی یاد نہیں آتا کہ ہم نے اپنے بچوں کی تربیت غلط کی۔

لگتا ہے کہ رشتے نہیں، لین دین ہے۔ محبت نہیں، ضرورت کا تعلق ہے۔ جب تک باپ کا دم آخر نہیں آتا، وہ جائیداد تقسیم نہیں کرتا۔ کیوں کہ اس نے دیکھ لیا ہے کہ وہ باپ ہونے کے سبب ان کا ابا نہیں ــــ؟ مشاہدہ ہے کہ جو لوگ اپنی حیات میں جائیداد تقسیم کرتے ہیں پھر وہ بچوں کی صورت دیکھنے کو ترس جاتے ہیں۔ پھر رشتے کیا ہوئے ــــ؟

ایسا بھی ہوا اور ہوتا ہے کہ جب ماں باپ کے مرنے پر دولت ہاتھ آئی تو یار دوست جمع ہوئے اور دولت پانی بن گئی۔ دوست اپنے دولت مند دوست کے لئے پسینے کی جگہ خون بہانے کو تیار ہیں۔ عیش و عشرت میں احتیاط مشکل ہے، آمدنی و خرچ کے

حساب کا کسے ہوش؟ ایسے میں حساب کتاب کے خیال کو چڑیوں کی کریال میں غلہ* سمجھئے۔خرچ کی حد نہیں ہوتی مگر آمدنی جتنی زیادہ ہو، کم لگتی ہے۔خرچ کے لئے دردسر کی ضرورت نہیں مگر آمدنی کے لئے درد سر ضرور ہے اور جس کام میں دردسر ہو اس میں آرام وعیش کہاں؟ فراوانی کے باوجود سوچے سمجھے بغیر پیسے اڑانے سے سکون نہیں ملتا، عیش وعشرت اضطراب دور کرنے کا ذریعہ ہے جو پیسوں کی دوڑ میں لگنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

دنیا میں ہر چیز کی قیمت ہے۔عیش اور رشتوں کی ناقدری کی قیمت صرف دولت نہیں، ناگہانی آفتیں بھی ہیں۔فضول خرچی کا علاج ممکن ہے کہ خرچ میں کمی کی جائے۔آفات آسمانی کو نازل ہونے سے روکنے کے لئے بھی قول وعمل میں احتیاط کے سوا راستہ نہیں۔

سیٹھ جی کی دکان کا جہاں روپیہ جمع تھا وہاں ڈاکہ پڑ گیا اور اپنے بیگانوں نے آنکھیں چرالیں۔خیال ہوا کہ بندگان خدا کے ساتھ نیکی کا اجر ضرور ہے۔ایک بار قرض لینے کے لئے کسی کی طرف سے ضمانت دی تھی جس سے کسی آدمی کی مشکل حل ہوگئی تھی۔آج وہ خوش حال ہے اور مدد کرسکتا ہے۔دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ شخص اس کے نام سے کتنے لوگوں سے قرض لے کر اب روپوش ہوچکا ہے۔

اب سیٹھ صاحب کو لوگوں سے نفرت ہوگئی ہے۔جہاں ملتے ہیں زمانے کی بے وفائی کی شکایت کرتے ہیں۔اس بھولے نادان کو کون سمجھائے کہ زمانہ تو وہی ہے جو پہلے تھا۔آئینے کی طرح زمانہ بھی دیکھنے والے کا عکس قبول کرلیتا ہے!

ہمارے اس مہربان کی باقی کہانی اگر وہ خود بیان نہ کریں تو مختصر ہے کیوں کہ جب آدمی اپنے مصائب بیان کرنے بیٹھتا ہے تو بمشکل رکتا ہے۔لہٰذا میں اپنی طرف سے ان کا حال کہے دیتا ہوں۔

ان صاحب کی جوانی رخصت ہوچکی تھی۔بال بچوں کا ساتھ تھا۔بچوں نے جوانی میں قدم رکھ دیا تھا، ابا ''امیر'' تھے اس لئے بچوں نے تنگ دستی نہیں دیکھی اور محنت کی عادت نہیں تھی۔بیوی کا زیور گہنا سب بک گیا۔گھر کے برتن گروی پڑے تھے۔قرض ملتا نہیں۔ناچار گھر سے نکلے اور جیسے تیسے زندگی کی گاڑی گھسیٹی۔

بچوں میں سے کوئی غلط راہ پر چل پڑا۔ماں باپ کی اپنی تربیت نہیں ہوئی اس لئے بچوں کی تربیت نہیں کی۔وہ باپ سے بدظن ہوگئے کہ سب کچھ ایک جگہ کیوں رکھا تھا؟

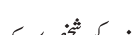

ایک اور قصہ سنئے۔کسی شخص کا ذکر ہے کہ آغاز جوانی میں ہم عمروں میں بیٹھا عیش ونشاط کی باتیں کررہا تھا۔دین کی فکر نہیں تو دنیا کی فکر بھی نہیں تھی۔بظاہر لگتا ہے

---

* کریال میں غلہ (رنگ میں بھنگ ڈالنا۔مقصد کے حصول میں خلل)

کہ دین سے غافل رہنے والا دنیا کے بارے میں فکر مند رہتا ہے۔ اس کی یہ فکر دھوکا ہے کیوں کہ دین دنیا میں رہنے کے قواعد بتاتا ہے۔ جب وہ دین سے غافل ہے تو دنیا سے بھی غافل ہے اور جسے اپنی فلاح سمجھتا ہے وہ جلد یا بدیر تباہی بن جاتی ہے۔

نوجوانوں کی محفل میں اونچی آواز میں باتیں ہو رہی تھیں، قہقہے لگ رہے تھے اور پینے پلانے کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ اتنے میں ابا کے ملنے والوں میں سے ایک بزرگ آئے جو عالم و زاہد مشہور تھے۔ دنیا میں زاہدوں کا جس قدر ادب کیا جاتا ہے اتنا ہی لوگ انہیں راہ و رسم اور محبت سے بے گانہ سمجھ کر ان سے دور بھاگتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ہمیں دنیا سے دور کر دیں گے۔ جب کہ وہ انہیں دنیا میں رہنا سکھاتے ہیں۔ بہر حال،

جتنے وہاں آفت جان تھے وہ حیا کے مارے
ہوئے روپوش وہ بیگانہ سمجھ کر سارے

نوجوان بزرگ سے رشتہ داری کی وجہ سے فرار نہ ہو سکا اور اکیلا رہ گیا۔ وقت اور وسائل کی ناقدری دیکھ کر بزرگ نے اسے سمجھایا کہ برخوردار! کیوں زندگی خراب کرتے ہو؟ دنیا تو آخرت کی کھیتی ہے۔ اس میں آزادی و قید کے کیا معنی—؟ تم آزاد ہو، جو بوؤ گے وہ کاٹو گے۔ خوش شکل و خوش لباس ہو اور صحت اچھی ہے پھر ان محفلوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے جینے کا کوئی مقصد کیوں نہیں بناتے یا پھر جس مقصد کے لئے تمہیں بنایا گیا ہے اس سے واقف ہو جاؤ۔ آسائشیں استعمال کرو مگر اپنے آپ تک محدود رکھنے کے بجائے ضرورت مندوں میں بھی تقسیم کرو۔ پھر دیکھو جینے کا مزا آتا ہے کہ نہیں!

پہلے تو نوجوان شرمندہ ہوا کہ انہوں نے مجھے کن لوگوں کے درمیان میں دیکھا۔ بہر حال بزرگ کی آواز میں نہ جانے کیا اثر تھا کہ وہ ان کی باتوں سے متاثر ہوا اور ارادہ کیا کہ آج سے غلط دوستوں میں اٹھنا بیٹھنا بند اور بزرگوں کی قربت اختیار کرنے اور علم و فضل کی طرف متوجہ ہونا چاہئے تاکہ آئندہ زندگی برباد نہ ہو۔

اب نوجوان کی زبانی سنیں کہ غلط دوستوں کو چھوڑ کر اسے کیا ملا؟ وہ کہتا ہے کہ — سب سے پہلے میں نے بزرگ کی ہدایت کو مدنظر رکھتے ہوئے تحصیل علم پر توجہ دی۔ کتابیں پڑھیں اس کے بعد لکھیں۔ لوگوں کی مدد کی اور بچوں کی تعلیم میں تعاون کیا۔ مزاج بدلا تو دوست بھی بدل گئے۔

میں سمجھتا ہوں کہ میرے اس واقف کار کا دل بدلنا معمولی بات نہیں ہے۔ جس راستے پر وہ چل پڑا تھا اس کا نشہ آسانی سے نہیں اترتا، مضبوط قوت ارادی کی ضرورت ہے لیکن نوجوان کے اندر شرم و حیا موجود تھی۔ حقیقت بزرگ پر کھلنے سے وہ نادم ہوا تھا۔ آج وہ بہت اچھی زندگی گزار رہا ہے۔ آسائشیں ہیں اور سکون بھی۔ عموماً یہ دونوں ایک جگہ نہیں ہوتے لیکن آسائشیں خدمت خلق میں صرف ہوں تو اپنے اور

دوسروں کے لئے نعمت ہیں۔

نوجوان کی اصلاح میں بزرگ نے اہم کردار ادا کیا۔ بات میں اثر قول وعمل ایک ہونے کا اشارہ ہے۔ ورنہ کیا اس سے پہلے اسے ماں باپ اور دیگر لوگوں نے بے راہ روی سے نہ روکا ہوگا—؟

قوم کی تعمیر میں راہ نما اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ماں باپ، استاد اور قوم کے حکمران سب راہ نما ہیں۔ ماں باپ اور استاد فرد کی تعمیر کرتے ہیں اور حکمران انہیں ایک راہ پر قائم رکھتا ہے۔ ان میں سے ایک بھی ذمہ داری سے غافل ہوجائے تو پوری قوم متاثر ہوتی ہے کیوں کہ جہاں تھوڑی روشنی کمرے میں اجالا کرتی ہے وہاں ایک مچھلی تالاب کو بدبودار کردیتی ہے۔

تالاب کیوں بدبودار ہوا—؟ کیا دیگر مچھلیوں میں طاقت نہیں ہے کہ ماحول خراب کرنے والی مچھلی کو تالاب سے نکال دیں—؟ ان میں بھی کہیں نہ کہیں کم زوری ہے اس لئے تخریبی ذہن حاوی ہوگیا۔

انبیائے کرام اور اولیاء اللہ ان ہستیوں میں سے ہیں جنہوں نے کثرت کو وحدت پر مرکوز کیا۔ تاریک راہوں میں روشنی پھیلائی اور قوم کو پستی سے بلندی پر پہنچایا۔ ہمارے پیارے نبی حضرت محمدؐ اس کی بہترین مثال ہیں کہ کس طرح عرب سے ایک آواز اٹھی اور سارے عالم میں پھیل گئی، آج بھی آواز کی گونج جاری ہے اور پروانے اپنے رسولؐ پر دل وجان سے قربان ہیں۔

نبی کریمؐ کے روحانی وارث اولیاء اللہ میں ایک نام خواجہ غریب نوازؒ کا ہے۔ انہوں نے رسول اللہؐ کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے بلا تفریق رنگ ونسل پوری قوم کا مزاج بدل دیا اور برصغیر میں ہزاروں دل ایمان سے روشن ہوئے۔

یہ ہر ولی کا طریق ہے کہ وہ جس معاشرے میں رہتا ہے، مزاج بدل دیتا ہے۔ اس کے نسمہ (روشنی کا جسم) میں اتنی طاقت ہے کہ دل بدل جاتے ہیں۔ دنیاوی بادشاہوں کی آخری آرام گاہیں تاریک ہیں لیکن اجمیر اور داتا دربار پر شب وروز چراغاں ہے!

حکومتی سطح پر جن راہ نماؤں نے قوم کو زوال سے عروج پر پہنچایا ان میں ایک ماؤزے تنگ ہیں۔ چین کے لوگ افیون کی لت میں مبتلا تھے لیکن ماؤزے تنگ نے قوم کو نشے سے چھٹکارا دلا کر محنتی قوم بنادیا۔ آج چین کی ترقی محیر العقل ہے۔ علامہ اقبالؒ نے چینی قوم میں اصلاحی عمل دیکھتے ہوئے ''ساقی نامہ'' میں لکھا ہے،

زمانے کے انداز بدلے گئے
نیا راگ ہے ساز بدلے گئے
ہوا اس طرح فاش راز فرنگ
کہ حیرت میں ہے شیشہ باز فرنگ
پرانی سیاست گری خوار ہے
زمین میر و سلطاں سے بیزار ہے
گیا دور سرمایہ داری گیا
تماشا دکھا کر مداری گیا
گراں خواب چینی سنبھلنے لگے
ہمالہ کے چشمے ابلنے لگے

نشہ عیش وعشرت میں اسٹیٹس کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ یہ خاموش قاتل ہے جو رگوں میں اتر کر خون خشک کر دیتا ہے۔ نشہ افیون کا ہوتا ہے، خوب صورتی کا ہوتا ہے، علم و ہنر کا ہوتا ہے، دولت کا ہوتا ہے اور دنیا کا بھی۔

ہمارے ایک عزیز بچوں کے ساتھ کسی محفل میں شریک تھے۔ حقے کا دور چل رہا تھا۔ خاتون نے کش لگانے کے بعد حقہ اپنے پندرہ سولہ سال کے بچوں کے آگے کیا جیسے یہ معمولی بات ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ ذائقے دار حقے سے کچھ نہیں ہوتا۔

آج حقہ شکل، رنگ اور ذائقہ بدل کر عام ہو گیا ہے۔ معیار زندگی کو بہتر کرنے میں فرد بھول گیا ہے کہ زندگی کا معیار نشے اور حقے کی محفلوں میں بیٹھنے سے نہیں فکر کی دنیا میں پرواز سے بڑھتا ہے۔

''فلیورڈ شیشے'' کا کاروبار کرنے والے اٹھائیس انتیس سال کے لڑکے سے پوچھا، بھائی ایک دن میں کتنا کما لیتے ہو؟ انہوں نے شہر کے اچھے علاقے میں دکان کھولی تھی جو دن کے بارہ بجے سے رات تین چار بجے تک دھویں سے بھری رہتی تھی۔

بڑے فخر سے بتایا، الحمدللہ دس ہزار کما لیتا ہوں۔

مجھے ایک دن میں دس ہزار کمائی پر تعجب نہیں ہوا، میں اس کے الحمدللہ کہنے پر حیران اور گم سم تھا۔

اس مضمون میں ماں باپ کی تربیت، اولاد کا رویہ، پیسے کی ریل پیل کے اثرات، اپنی روایات سے تغافل اور غیروں کی ثقافت پر فخر کا مختصر ذکر ہے۔ ان سب کی وجہ تربیت ہے۔ جس گھر کا نوجوان فلیورڈ حقہ فروخت کرتا ہے، اس کمائی سے گھر والے خوش ہیں۔ اس گھر میں تین نہیں تو کم از کم دو نسلیں ضرور رہ رہی ہیں اور وہ آنے والی نسل کی تربیت کریں گی۔ انہوں نے اس کاروبار کو غلط نہیں سمجھا۔ کیا یہ نظر انداز کرنے والی بات ہے—؟

خرابی کہاں سے شروع ہوئی—؟ تربیت!

تربیت نہیں ہے۔ بڑوں کا احترام نہیں رہا اس لئے تربیت میں فقدان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کی تربیت کے لئے نبی کی بعثت کے ساتھ الہامی کتاب نازل فرمائی تاکہ قوم الہامی راہ نمائی کے تحت زندگی گزارے۔ ہم قرآن کریم پڑھتے ہیں لیکن ترجمے سے ناواقفیت کی بنا پر سمجھ کر نہیں پڑھتے جب کہ قرآن کریم میں دین و دنیا، تہذیب و تمدن، علوم وفنون کے خزانے ہیں۔ الہامی کتب سے یہ کہہ کر غفلت برتی گئی ہے کہ مذہب کا سائنس سے کیا تعلق؟

قارئین کیا یہ عمل صحیح ہے—؟ قرآن کریم میں تخلیقی کائنات کے فارمولے ہیں۔ ہم جتنے علوم پڑھتے ہیں اور جن سائنسی فارمولوں سے واقف ہیں ان کی مرکزیت مادیت ہے جب کہ الہامی کتابوں میں بیان کئے گئے کائناتی فارمولوں کی بنیاد حقیقت پر قائم ہے جس کا ایک مظاہرہ ہزاروں عالمین پر مشتمل یہ کائنات ہے۔

شیخ افتخار

انار کے پھولوں کی رانی

اس نے جھک کر ہرنی کے گلے میں بانہیں ڈالیں اور پیار سے بولی، کیوں ری ساحرہ! اب تک کہاں تھی اور تجھے کس نے روک رکھا تھا—؟

نادرہ— انارکلی کے نام سے موسوم ہے۔ وہ شہنشاہ اکبر کے حرم سرا کی ایک کنیز کی بیٹی تھی۔ ایک بار اکبر نے اسے انارکلی کیا کہا کہ لوگ نادرہ نام بھول گئے۔

نادرہ کو آج بھی لوگ انارکلی کہتے ہیں۔

انارکلی بھولی بھالی، کمسن، ہنس مکھ اور خوب صورت تھی۔ محل میں بیگمات کی خاص طور پر منظور نظر تھی اور شاہی حرم کے احاطے میں تتلیوں کی طرح زرق برق لباس میں اڑتی پھرتی تھی۔

جب آفتاب کی سنہری کرنیں کلی کو چھوتی ہیں تو کلی کھلتی ہے اور فضا میں حسن وخوش بو پھیل جاتی ہے۔ یہی حال انارکلی کا تھا۔ زندگی کے موسم بہار کی آمد نے اس کے حسن کو بڑھا دیا۔ اب بچپن کی شوخی کی جگہ متانت اور سنجیدگی نے لے لی۔ اس کے تبسم میں مسحور کرنے کی کشش تھی اور چمک دار سیاہ آنکھوں میں پاکیزگی تھی۔

حرم شاہی کی سن رسیدہ عورتیں انارکلی کو دیکھ کر آہیں بھرتیں اور اپنے عہد گزشتہ کو یاد کرتی تھیں۔

حرم شاہی میں بادشاہوں کے لئے پردے کی قید نہیں تھی اس لئے سب سے پہلے جو شخص انارکلی پر فریفتہ ہوا وہ شہنشاہ اکبر کا بیٹا اور سلطنت کا ولی عہد سلیم تھا۔

شام ڈھل چکی تھی۔ چاندنی نکھری ہوئی تھی۔ بارش کے قطروں نے باغ کے پتّوں کو دھو دیا تھا۔ موتیا کی بھینی بھینی خوش بو سے فضا معطر تھی۔ درختوں سے پانی ٹپک ٹپک کر ہلکی نرم آواز پیدا کر رہا تھا۔ ابر آلود مطلع صاف ہو رہا تھا۔ چاند کی دل فریب روشنی درختوں پر پھیل رہی تھی۔ ایسے میں انارکلی سنگ مرمر کے فرش پر ٹہلتے ہوئے ہرنی کے بچے کی منتظر تھی۔

آرا— آرا!

یہ الفاظ موسیقی کی طرح ہوا میں گونج رہے تھے اور خاموشی میں خوش آئند معلوم ہوتے تھے۔

آرا— آرا!

جواب میں ہرنی کی آواز آئی۔ کبھی آواز دور سے آتی معلوم ہوتی اور کبھی نزدیک سے سنائی دیتی تھی مگر یہ ظاہر تھا کہ ہرنی اس کی آواز سنتی ہے وگرنہ وہ کیسے جواب

دیتی۔لیکن انارکلی نے سوچا کہ ہرنی ہے کہاں ــــ؟ وہ تو پہلی آواز پر آجاتی تھی۔

انارکلی نے پھر آواز دی اور وہی جواب پایا۔جب وہ باغ کے دوسرے حصے میں گئی تو ہرنی درخت کی طرف سے چھلانگ مارتی ہوئی آموجود ہوئی۔

رات کی خاموشی میں انارکلی کے گھنگروؤں کی آواز دور ہوا میں گونجتی چلی گئی۔اس نے جھک کر ہرنی کے گلے میں بانہیں ڈالیں اور پیار سے بولی، کیوں ری ساحرہ! اب تک کہاں تھی اور تجھے کس نے روک رکھا تھا ــــ؟

میں نے!

انارکلی چونک گئی اور مڑ کر دیکھا۔آواز جانی پہچانی تھی۔دیکھنے پر تصدیق ہوگئی۔وہ شہزادہ سلیم تھا۔

سلیم نے ہنستے ہوئے انارکلی سے کہا،تمہاری ہرنی کو جانے نہیں دوں گا۔

انارکلی کے چہرے پر حیا کی سرخی دوڑ گئی۔وہ تعظیم سے جھکی اور کہا،قصور معاف کریں مجھے معلوم نہ تھا۔

شہزادے نے مسکراتے ہوئے بات کاٹی اور بولا، معافی تو مجھے آپ سے مانگنی چاہئے کیوں کہ میں نے اجازت کے بغیر آپ کی ہرنی کو روک رکھا تھا۔

شہزادے کی بات نے انارکلی کو شرمندہ کردیا۔

جانتی ہو کہ میں نے اسے کیوں روکا تھا؟ یہ کہتے ہوئے وہ کچھ دیر رکا پھر بولا، اس لئے کہ ہرنی کی آنکھیں تمہاری آنکھوں سے مشابہ ہیں۔

انارکلی کا دل خوشی سے معمور ہوگیا۔

اس رات خوشی سے نیند نہیں آئی۔سوچتی رہی کہ کیا شہزادے کو اس سے محبت ہے۔کیا وہ واقعی حسین ہے؟

ادھر شہزادہ سلیم بھی بے قرار تھا کہ میدانِ محبت میں یہ اس کا پہلا قدم تھا۔

کچھ دن بعد زنان خانے میں رقص کی محفل منعقد ہوئی۔اکبر موسیقی کا دلدادہ اور سرپرست تھا۔انارکلی نے دل کش آواز سے بادشاہ کے دل میں جگہ بنالی تھی۔ اب موسیقی کی کوئی محفل انارکلی کے بغیر پُر لطف نہ ہوتی۔بادشاہ کی منظور نظر ہونے کے باعث وہ اور کسی محفل میں نہیں گا سکتی تھی۔یہاں تک کہ جب بادشاہ بیگمات کے ساتھ گانا سننے کا قصد کرتا تو انارکلی وہاں موجود ہوتی تھی۔

شیش محل روشنی سے جگمگا رہا تھا۔مختلف اقسام کے فانوس چھت سے لٹکے ہوئے تھے جن کی روشنی آئینوں سے ٹکرا کر عجیب کیفیت پیدا کر رہی تھی۔کمرا جڑاؤ زیور کی طرح جواہرات سے مزین جگمگا رہا تھا۔فرش پر قیمتی قالین بچھے ہوئے تھے۔بادشاہ مسند زریں پر رونق افروز تھا۔بیگمات فرش پر ملائم تکیوں سے پشت لگائے بیٹھی تھیں۔گانا شروع ہو چکا تھا۔

سب نے گانا گایا مگر انارکلی ابھی تک نہیں آئی تھی۔ کچھ دیر بعد حاضر ہوئی اور جھک کر تعظیم بجالائی۔وہ ارغوانی لباس میں تھی۔آج سجاوٹ کا انداز اور تھا۔

اکبر بولا، بدر کامل کو ستاروں پر فتح پانے کے لئے

آرائش کی ضرورت نہیں۔

انارکلی نے سر جھکا لیا۔ جو کچھ دل میں مستور تھا، بادشاہ سے کیسے کہتی۔ محفل میں ولی عہد سلیم موجود تھا پھر وہ اعلیٰ پوشاک کیوں زیب تن نہ کرتی!

سارنگی کی مدہم مگر لرزتی ہوئی آواز محفل میں گونجی۔ جیسے ہی تمہیدی راگ ختم ہوا، انارکلی نے استاد کی طرف دیکھ کر بجانے کا اشارہ کیا۔ پھر گھنگروؤں کی آواز سے خاموشی طاری ہوگئی۔ دوبارہ گھنگروؤں کی آواز پیدا ہوئی اور سارنگی کی آواز کے ساتھ مل کر فنا ہوگئی۔ اب گانا شروع کیا۔ نغمے کی لطافت سے مالا مال آواز موسیقی کے ساتھ مل کر کمرے میں گونجنے لگی۔

آج انارکلی کے گانے میں خاص اثر تھا۔ گمان ہوا کہ جیسے خواب دیکھ رہی ہے جس میں سوائے سلیم کے کوئی شے دیرپا نہیں۔ آنکھیں شہزادے کی آنکھوں سے چار ہوئیں اور اس نے دوسرا گیت شروع کیا،

من تو شدم تو من شدی
من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں
من دیگرم تو دیگری

محفل میں اظہار کا بہتر طریقہ کیا ہوسکتا تھا۔

وہ دیوان خانے اور اس میں بیٹھے تمام لوگوں کو بھول گئی۔ خیال نہ رہا کہ بادشاہ مسند نشیں ہے۔

یکایک غصّے سے بھری آواز گونجی۔

گانا بند کرو!

یہ بادشاہ اکبر کی آواز تھی۔ گانا فوراً بند ہوگیا اور سب سہم گئے۔ بادشاہ غصّے سے کانپ رہا تھا۔ آنکھیں لال ہو رہی تھیں اور بھنویں تن گئیں۔ آئینے میں تمام راز و نیاز کی باتیں دیکھ لی تھیں جو سلیم اور انارکلی کے درمیان اشاروں میں ہو رہی تھیں۔ کیا شہزادہ ایک غلام زادی کے جال میں پھنس جائے گا؟

حرم کے نگراں کو بلایا اور غصّے میں کپکپاتی ہوئی انگلی سے انارکلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، اس عورت کو لے جاؤ اور کال کوٹھری میں بند کردو۔ کل اس کی کھال کھچوائی جائے گی۔ ہر شخص دم بخود ہوگیا۔

انارکلی حیران و ششدر بادشاہ کو دیکھنے لگی۔ جب احساس ہوا کہ اشارہ اس کی طرف ہے تو خون رگوں میں منجمد ہوگیا۔ پھر کمرے کی روشنی گل ہوگئی۔

کسی نے ٹھنڈا ہاتھ انارکلی کی کلائی پر رکھا۔ یہ حرم کا نگراں تھا جو اسے لے جانے کے لئے کھڑا تھا۔ ہاتھ گرفت سے چھڑا کر بادشاہ کے قدموں پر اس طرح گری جیسے کسی نے پھول کو مسل کر پھینک دیا ہو۔

فضا خاموش اور تاریک تھی۔ تاریکی کو چراغ کی ٹمٹماتی ہوئی لَو نے نمایاں کر دیا تھا۔ روشنی تاریکی میں جذب ہوئی ــــ آواز ہوا میں تحلیل ہوئی اور کچھ معلوم نہ ہوسکا کہ اسے کہاں لے جایا جا رہا ہے۔

پھر اسے لانے والے واپس جاتے ہوئے دروازہ بند کر گئے۔ چاروں طرف جائزہ لیا تو یہ قید خانہ تھا۔ دل آنے والی موت کے خوف سے بیٹھا جا رہا تھا۔ بس چند

گھنٹے باقی تھے۔

آہ سلیم! سلیم کہاں ہے جس کی خاطر اسے یہ وقت دیکھنا پڑا۔ انارکلی رونے لگی۔ ہچکیاں بندھ گئیں۔ کیا یہ شہزادے سے دل لگانے کی سزا ہے؟ آخر میں نے کیا غلط کیا۔ اس نے کرب سے اللہ کو پکارا—

یا اللہ! کیوں ایسے خواب دکھاتا ہے جن کی اصلیت کچھ نہیں، کیوں ایسی خواہش پیدا کرتا ہے جس کا پورا ہونا مشکل ہے—؟

تھوڑی دیر بعد آہٹ سنائی دی۔ دروازہ کھلا۔ ایک سنتری مشعل لئے داخل ہوا۔ اس کے پیچھے سلیم تھا۔

سلیم کو دیکھتے ہی اس کی چیخ نکل گئی۔

میں تمہیں بچا سکتا ہوں۔

انارکلی نے حیرت سے پوچھا، کیسے؟

سلیم: یہاں سے نکلنے کا انتظام کیا ہے۔ جلدی کرو وقت گزر رہا ہے، گھوڑے تیار ہیں۔ صبح ہونے سے پہلے ہم کوسوں دور نکل جائیں گے۔ بدلے ہوئے بھیس میں کوئی نہیں پہچانے گا۔

انارکلی: ہم بچ کر نہیں جا سکتے۔ یہ لوگ تعاقب کریں گے اور ہم پکڑے جائیں گے۔ میری خاطر اپنی جان کو خطرے میں نہ ڈالیں۔

سلیم نہیں مانا۔ انارکلی نے توقف سے کام لیا اور سوچنے لگی کہ اسے سلیم کی جان کو خطرے میں ڈالنے کا حق نہیں۔ جانتی تھی کہ یہاں سے نکلنا ممکن نہیں۔

انارکلی: پیارے سلیم! قسمت کا لکھا نہیں ٹلتا۔ یہی اچھا ہے کہ قید خانے میں موت کا انتظار کروں۔

شہزادہ سلیم حیران تھا کہ آخر یہ قید خانے سے نکلنا کیوں نہیں چاہتی؟ اس نے انارکلی کا ہاتھ پکڑا اور باہر لے جانا چاہا۔ اس سے پہلے کہ وہ ارادے پر عمل کرتا، چشم زدن میں دروازہ کھلا اور خوف زدہ سپاہی رحیم خاں کوٹھری میں داخل ہوتے ہی بولا، جہاں پناہ ادھر تشریف لاتے ہیں۔

شہزادے نے پوچھا، رحیم خاں بتاؤ اب کیا کریں؟

رحیم خاں بولا، فوراً کوٹھری سے باہر آجائیں۔ اس وقت یہاں رکنا مناسب نہیں۔ بادشاہ سلامت کے جانے کے بعد واپس آجائیں۔

کافی دیر گزر گئی لیکن کوٹھری میں کوئی نہیں آیا۔

سپاہی نے جھوٹ بولا تھا۔

رحیم خاں جیل خانے کا داروغہ اور سلیم کے خاص ساتھیوں میں سے تھا۔ جب سلیم انارکلی کی کوٹھری میں داخل ہوا تو رحیم خاں دروازے سے کان لگائے باتیں سننے لگا۔ خیال تھا کہ سلیم انارکلی سے آخری بار ملنے اور الوداع کہنے آیا ہے۔ معلوم نہیں تھا کہ وہ اسے لے جانے کی کوشش کر رہا ہے۔

شہزادہ قید خانے سے باہر آیا تو رحیم خاں نے اشارہ کر کے دور دو جلتی ہوئی مشعلیں دکھائیں۔ وہ اس کے اپنے آدمی تھے۔ پھر رحیم خاں نے چپ چاپ اسے اپنے کمرے تک پہنچا دیا۔

سلیم: تمہیں یقین ہے کہ وہ بادشاہ سلامت تھے؟

رحیم خاں: جی حضور!

سلیم: مگر بادشاہ وہاں کیسے آئے؟

رحیم خاں: آپ کو معلوم ہے جہاں پناہ اکثر رات کو خفیہ طور پر جیل خانے کا معائنہ کرنے آتے ہیں۔

رحیم خاں جانتا تھا کہ شہزادہ دوبارہ انارکلی کے پاس جانے کا قصد کرے گا لہٰذا روکنا ضروری ہے۔

رحیم خاں: کیا آپ جام نوش فرمائیں گے؟

سلیم کا حلق خشک ہو رہا تھا۔

رحیم خاں ساتھ والے کمرے میں گیا اور مشروب میں سفید رنگ کا سفوف ملایا۔ جھاگ ابھری پھر بیٹھ گئی۔

جام نوش کر کے سلیم نے پُرخمار لہجے میں کہا، اب مجھے انارکلی کے پاس پہنچا دو۔

رحیم خاں: حضور مجھے کوئی عذر نہیں لیکن؟

سلیم: لیکن کیا؟

رحیم خاں: ممکن ہے کہ بادشاہ وہاں ہوں۔

اس کے بعد رحیم خاں تعظیم کے لئے جھکا اور کمرے سے نکل گیا۔ جانتا تھا کہ شہزادہ اب دن چڑھے تک ہوش میں نہیں آئے گا۔

صبح ہونے والی تھی۔ قید میں دن اور رات دونوں ایک تھے۔ انارکلی کی نظر انگلی میں چمکتی ہوئی چیز پر پڑی۔ یہ وہ انگوٹھی تھی جس میں ہیرا جڑا ہوا تھا۔ ماں نے اسے مرتے دم دیتے ہوئے کہا تھا، بیٹی! اللہ نہ کرے تجھے اس کی ضرورت پڑے مگر انتہائی مصیبت کے وقت جب اور کوئی صورت نہ ہو تو اس کو چاٹ لینا۔

انارکلی کو ماں کے الفاظ یاد آئے۔ ہیرا نکال کر منہ میں رکھ لیا۔ بچپن کے خیالات، ماں کی تصویر اور سلیم، آنکھوں کے سامنے سب ایک ایک کر کے فلم کی طرح گھوم گئے۔ اس کے بعد بدن میں رعشہ طاری ہوا۔ انارکلی ٹھنڈے فرش پر لیٹ گئی۔ ہونٹ مسکرا رہے تھے اور آنکھیں نیم وا تھیں۔ بادشاہ کے آدمی موت کا پروانہ لئے اسے لے جانے آئے۔ دروازہ کھلا تو انارکلی ان کے آنے سے پہلے جا چکی تھی!

اپنے وقت کا بادشاہ ــــ جلال الدین اکبر اب ابدی نیند سو رہا ہے اور سلیم نورالدین جہانگیر کے نام سے سریر آرائے سلطنت ہے۔ انارکلی کی موت کا واقعہ دل سے مٹ چکا ہے۔ مہرالنسا کی محبت کے سامنے انارکلی کا عشق اتنا ہی بے حقیقت ہے جیسے آفتاب کی روشنی میں جگنو کی چمک۔ یہ وہی مہرالنسا ہے جو دنیا میں نور جہاں کے نام سے مشہور ہے۔ بادشاہ کے دل پر سوتے جاگتے اس کا قبضہ ہے۔

شام کا وقت تھا۔ جہانگیر شاہی باغ میں ٹہل رہا تھا۔ مہرالنسا کی محبت دل میں چٹکیاں لے رہی تھی۔ یکایک نظر انار کے درخت کے نیچے پھولوں سے لدی ہوئی قبر پر پڑی۔ یہ اس نے پہلے نہیں دیکھی تھی۔ حیران ہوا کہ یہاں کون دفن ہے۔

ایک سن رسیدہ مالی فاصلے پر پھلواری میں کام کر رہا تھا۔اس سے پوچھا، یہ قبر کس کی ہے؟

مالی نے حسرت بھری نگاہ قبر پر ڈالی پھر بادشاہ کی طرف دیکھ کر چپ ہو گیا۔

بادشاہ جہانگیر نے پھر پوچھا، یہاں کون دفن ہے؟

مالی نے رکتے رکتے جواب دیا، انارکلی بیگم۔

انارکلی—؟ بادشاہ نے دہرایا۔

عہد رفتہ کی یاد جہانگیر کے دل میں تازہ ہوگئی۔ مغرب کی طرف ایک چمکتے ہوئے ستارے کو دیکھا اور ساتھ ہی انارکلی کی یاد چٹکیاں لینے لگی۔تھوڑی دیر کے لئے وہ مہرالنسا کو بھول گیا ۔اس کی موت کا واقعہ آنکھوں میں پھر گیا۔انارکلی کا وہ تبسم یاد آیا جس کی ادنیٰ قیمت سلیم کی جان تھی ۔ جہانگیر گہری سوچ میں آہستہ آہستہ محل کی طرف چل دیا۔

دوسرے دن میرِ عمارت کو حکم ہوا کہ فراموش شدہ انار کے پھولوں کی رانی کی قبر پر عالی شان مقبرہ تعمیر کرایا جائے اور قیمتی پتھر کا کتبہ نصب کیا جائے جس پر یہ شعر کندہ ہو،

وہ کہ گر من باز بینم روئے یار خویش را
تا قیامت شکر گویم کردگار خویش را

ترجمہ: ''اے کاش کہ اگر میں اپنے دوست کا چہرہ دوبارہ دیکھ سکوں تو قیامت تک پروردگار کا شکر ادا کرتا رہوں گا۔''

آئے تو سہی برسرالزام ہی آئے

ہونٹوں پہ کبھی ان کے مرا نام ہی آئے
آئے تو سہی برسرِ الزام ہی آئے

حیران ہیں لب بستہ ہیں دلگیر ہیں غنچے
خوشبو کی زبانی ترا پیغام ہی آئے

لمحات مسرت ہیں تصور سے گریزاں
یاد آئے ہیں جب بھی غم و آلام ہی آئے

تاروں سے سجالیں گے رہ شہر تمنا
مقدور نہیں صبح چلو شام ہی آئے

کیا راہ بدلنے کا گلہ ہم سفروں سے
جس رہ سے چلے تیرے در و بام ہی آئے

تھک ہار کے بیٹھے ہیں سر کوئے تمنا
کام آئے تو پھر جذبۂ ناکام ہی آئے

باقی نہ رہے ساکھ آداؔ دشت جنوں کی
دل میں اگر اندیشۂ انجام ہی آئے

ہونٹوں پہ کبھی ان کے مرا نام ہی آئے
آئے تو سہی برسرِ الزام ہی آئے

(کلام: آداؔ جعفری)

لب بستہ (ہونٹوں پر مہر، خاموش ہونا)
سر کوئے تمنا (خواہشوں کی دہلیز پر)

نفیسہ شاکر

زادِ راہ

دوسرے دوست نے پہلے دوست کی باتیں سننے کے بعد کچھ سوچتے ہوئے کہا، یہاں آنے کے بعد میرے ذہن میں صرف بھوک تھی جب کہ تمہاری نظر نظام پر ہے۔ ہم دوست ہیں لیکن ہمارا ماحول ایک نہیں۔ پھر کیا ہم دوست ہیں—؟

عزم و ہمت کے بغیر سفر طے نہیں ہوتا۔ ایک سفر ذہنی ہے جس سے فرد ہر وقت گزرتا ہے اور دوسرا جسمانی سفر ہے، یہ بھی تعطل کے بغیر طے ہوتا ہے۔ اس سفر کے لئے زادِ راہ ہمت ہے جس کی وجہ سے آدمی ثابت قدم رہتا ہے اور منزل سامنے آجاتی ہے۔ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں،

''ہمت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نوع کو اس کے فعل کے مطابق خصوصیت اور اہلیت عطا فرمائی ہے۔ آدمی جس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے جب اس طرف رجوع کرتا ہے تو قدرت ذوق طلب کی مناسبت سے فرد میں تحریک پیدا کرتی ہے۔ اس تحریک کو توفیق کہتے ہیں۔ اور جب آدمی طلب میں ثابت قدم رہتا ہے تو اسے ہمت کہتے ہیں اور ہمت راہِ سعادت کی کنجی ہے۔''

انبیائے کرام اور اولیاء اللہ کی زندگی پر غور کیا جائے تو سب نے ہمت و عزم سے راستہ طے کیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قربت اور انعامات سے نوازا۔

اللہ تعالیٰ کے ایک برگزیدہ پیغمبر حضرت ایوبؑ ہیں جنہیں اللہ نے بہت مال و دولت سے نوازا تھا۔ وہ شکر گزار تھے اور دولت کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔

روایت ہے کہ ایک روز فرشتے اللہ تعالیٰ کے حضور حضرت ایوبؑ کی اطاعت اور عبادت و ریاضت کی تعریف کر رہے تھے کہ کسی طرح ابلیس وہاں پہنچا اور کہا کہ ایوبؑ اس لئے عبادت گزار ہے کہ اس پر انعام واکرام کی بارش ہے۔

حالات بدلے اور مصیبتوں اور آزمائشوں نے حضرت ایوبؑ کو تہی دست کر دیا۔ غلّے کے گوداموں میں آگ لگ گئی، مال اسباب جل کر راکھ بن گئے۔ ان کی اولاد جس ضیافت میں شریک تھی وہاں مکان کی چھت گر گئی اور سب ملبے میں دب گئے۔ خوش حالی کی کوئی علامت باقی نہیں رہی مگر ہمت و عزم کا یہ عالم

تھا کہ اللہ کی محبت غالب رہی اور وہ ناشکری سے دور رہے۔ اللہ سے دعا کرتے تھے کہ

''اے اللہ میں اپنی ماں کے پیٹ سے برہنہ پیدا ہوا تھا۔ برہنہ ہی دنیا سے جاؤں گا۔ تو نے مجھے یہ سب کچھ دیا تھا اور تو نے اپنی امانت واپس لے لی۔''

آزمائش ختم نہیں ہوئی۔ جسم میں پھوڑے نکل آئے ٹیسیں اٹھتی تھیں۔ حرف شکایت زبان پر نہیں آیا۔ عزیز و اقارب نے قطع تعلق کر لیا، صرف شریک حیات نے وفاداری کی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوبؑ کے صبر اور ہمت کو شرف قبولیت بخشا اور قرآن کریم میں فرمایا،

''اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو جب اس نے اپنے رب کو پکارا۔ اے میرے رب! شیطان نے مجھے ایذا اور تکلیف دے رکھی ہے۔ رحمت خداوندی جوش میں آئی اور حکم ہوا کہ زمین پر پیر مارو، یہ چشمہ نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو شیریں ہے۔ اور ہم نے ان کو ان کے اہل وعیال اور کتنے ہی اور بھی اپنی مہربانی سے عنایت فرمائے۔ اس میں اولی الالباب کے لئے نصیحت ہے۔'' (ص: ۴۱-۴۳)

حضرت ایوبؑ نے زمین پر پیر مارا، زمین سے شفا بخش پانی ابل پڑا— حضرت ایوبؑ نے غسل کیا، پیاس بجھائی— بدن پھوڑوں اور زخموں سے صاف ہو گیا۔ اہلیہ واپس آئیں اور شوہر کو نہ پایا تو بے قرار ہو کر تلاش کرنے لگیں۔ قریبی پل پر صحت مند نوجوان کو دیکھا۔ یہ حضرت ایوبؑ تھے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے حضرت ایوبؑ اور ان کی اہلیہ کا شباب لوٹ آیا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے زیادہ نعمتیں اور اولاد عطا کی۔

اللہ کے دوست وسائل کے کھونے اور پانے کے ملال سے خالی ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ کوئی شے ان کی ملکیت نہیں— خالق و مالک اللہ ہے۔ اس عادت کے سبب رحمٰن و رحیم اللہ انہیں دین و دنیا کی بے حساب نعمتیں اور وسائل عطا فرماتا ہے— اللہ کے دوستوں کے در سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔

ہمت کے درجات ہیں اسی مناسبت سے مراتب بڑھتے ہیں۔ کسی بزرگ کی خدمت میں ان کا لڑکا اور ایک خادم رہتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ خادم ان کے بیٹے سے زیادہ باصلاحیت ہے۔

ایک دن بزرگ نے دونوں کو بٹھایا۔ پہلے فرزند سے پوچھا کہ تم کسے اپنی طاقت سمجھتے ہو—؟

بیٹے نے جواب دیا، میں چاہتا ہوں کہ میرے پاس وسائل کی فراوانی ہو اور خدمت میں نیک غلام ہوں۔

اب خادم سے دریافت کیا کہ بتاؤ تمہاری ہمت کا درجہ کیا ہے—؟ خادم نے عرض کیا کہ میری ہمت اس میں ہے کہ جس قدر غلام میرے پاس ہوں، سب کو آزاد کر دوں اور جو آزاد ہیں، انہیں غلام بنالوں اور آزاد کر دوں۔

یہ سن کر بزرگ نے فرزند سے کہا، بیٹا ہمیشہ یاد رکھنا وسائل آتے جاتے رہتے ہیں۔ انہیں شکر ادا کر کے اور

اللہ کی امانت جان کر استعمال کرو۔ اضافہ چاہتے ہو تو وسائل کو مخلوق میں تقسیم کرو، تقسیم کرنے سے وسائل بڑھتے ہیں۔ لوگوں کے لئے آسانیاں پیدا کرو گے تو اللہ تمہاری راہیں آسان کر دے گا اور گمان سے زیادہ نوازے گا۔

ہمت کیا ہے — ؟ ناموافق حالات کو قبول کرنے کی صلاحیت ہے۔ ہمت یہ بھی ہے کہ جو شے عطا ہوا سے اسراف کے بجائے اعتدال میں استعمال کیا جائے۔ ہمت برداشت سے پیدا ہوتی ہے۔

اولیاء اللہ فرماتے ہیں کہ آدمیوں میں ہمت کے درجات ہیں کیوں کہ خود آدمیوں کی بھی قسمیں ہیں۔ ایک شخص اسباب کے گرد گھومتا ہے، دوسرے شخص کے گرد اسباب گردش کرتے ہیں۔ اسباب و وسائل کی ضرورت دونوں کو ہے کیوں کہ مخلوق ہر حالت میں خالق کی محتاج ہے — اللہ کا بندہ وہ ہے جو ہر شے من جانب اللہ سمجھتا ہے۔

دو دوست سفر میں تھے۔ ایک مقام پر رک کر کھانے کا آرڈر دیا۔ کھانا آنے میں وقت تھا تو ان میں سے ایک نے ماحول کا جائزہ لیتے ہوئے کہا، اللہ تعالیٰ نے کیسا نظام بنایا ہے کہ یہاں فرد — فرد سے منسلک ہے۔ جتنے لوگ یہاں موجود ہیں ان سے ان کے خاندان والے منسلک ہیں۔ خاندان والوں کے بھی سماجی تعلقات ہیں۔ جس کھانے کا ہم نے آرڈر دیا ہے، اس کی تیاری کتنے مہینے پہلے شروع ہوگئی تھی، فصل بوئی گئی، بارش، ہوا، سورج، چاند، معدنیات، دھاتیں، فصل کا پکنا اور نہ جانے کتنے ہاتھوں سے گزر کر یہاں تک پہنچنا — افراد اور وسائل کی ایک پوری زنجیر ہے۔ بھوک کا تقاضا پیدا ہوا تو قدرت ہم دونوں کو اس ریستوران میں لے آئی۔ ہم کھانے کی قیمت ادا کر کے چلے جائیں گے، پیسا گردش میں رہے گا اس طرح لائف سائیکل چلتا رہتا ہے۔ میں ایک پورا نظام حرکت میں دیکھ رہا ہوں۔

دوسرے دوست نے پہلے دوست کی باتیں سننے کے بعد کچھ سوچتے ہوئے کہا، یہاں آنے پر میرے ذہن میں صرف بھوک تھی جب کہ تمہاری نظر نظام پر ہے۔ ہم دوست ہیں لیکن ہماری سوچ ایک نہیں۔ پھر کیا ہم دوست ہیں — ؟

مجھے پیٹ پوجا کی طلب ہے اور تم نعمتوں میں تفکر کرتے ہو۔ کھانا دونوں کو ملے گا مگر علم میں دونوں برابر نہیں۔

پہلا دوست بولا، مایوسی کس بات کی ؟ جب تمہیں ادراک ہو گیا کہ صحیح طرز فکر کیا ہے تو اسے اختیار کر لو۔ صحیح اور غلط میں فرق کرنا بھی نعمت ہے اور یہ نعمت اللہ نے عطا کی ہے۔

حوصلہ افزائی پر دوست مسکرا دیا۔

مثبت پہلو دیکھنے سے نعمتوں کی قدر ہوتی ہے۔ اچھا شخص وہ ہے کہ اللہ کی عطا پر خوش ہو اور جو شے نہ ملے

اس کے حصول کے لئے جدوجہد کرے۔ صبر کے معنی یقین کے ساتھ اللہ کی رضا کو قبول کرنا ہے۔

فقیر گلی میں صدا لگا رہا تھا،

''جس حال میں بھی رکھے صد شکر ہے اللہ کا''

گلی میں ایک مکان کسی صاحب علم و عمل کا تھا۔ وہ درس دے رہے تھے۔ فقیر کی صدا سنائی دی۔ آواز پر وہ رک گئے اور غور سے سنا پھر شاگردوں سے پوچھا، فقیر کیا کہتا ہے؟

کسی شاگرد نے کہا، اللہ کی رضا پر شاکر ہے۔

انہوں نے دیگر شاگردوں کی طرف دیکھا۔

سب نے تائید کی۔

صاحب علم و عمل نے کہا، تم نے عبارت کو عمومی اور مجموعی طور پر سنا، الفاظ نظر انداز کر دیئے۔ بات یہ ہے،

جب کھینچ کہ آہ سرد
کہتا ہے کوئی بندہ
جس حال میں بھی رکھے
صد شکر ہے اللہ کا
میں سوچنے لگتا ہوں
یہ شکر کیا اس نے
یا شکوہ کیا اس نے
رزاق دو عالم سے

پھر انہوں نے شاگردوں سے کہا، ''جس حال'' کہہ کر فقیر متوجہ کر رہا ہے کہ کبھی میں اچھے حال میں رہتا ہوں اور کبھی برے حال میں۔ اس کے ذہن میں صرف اسباب و وسائل ہیں۔ کیفیت ایک ہوتی تو یہ حالات میں تفریق نہیں کرتا۔

قارئین اس جملے کو غور سے دوبارہ پڑھئے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ دنیا سے کیا لینا دینا، ہمیں دنیا سے کچھ نہیں چاہئے۔ ایک وقت تھا میں بھی یہی کہتی تھی پھر ادراک ہوا کہ جو شخص کہتا ہے کہ مجھے دنیا سے کچھ نہیں چاہئے وہ ناشکری کرتا ہے۔

دنیا کیا ہے —؟ وسائل کی آماجگاہ ہے۔ یہاں کی رنگینی اور خوب صورتی اللہ نے مخلوق کے لئے پیدا کی ہے اور پھر دنیا میں صرف کھانا پینا اور سونا چاندی نہیں ہے، علم بھی ہے۔ ہم اللہ سے دنیا کا علم ہی کیوں مانگتے ہیں —؟ اللہ سے اللہ کو کیوں نہیں مانگتے —؟ ظاہری نعمتیں ہمارے لئے ہیں اور باطنی نعمتیں بھی۔ ان نعمتوں سے منہ موڑنا ناشکری ہے۔ لہٰذا اچھا کھائیں، اچھا پہنیں، زمین کی سیر کریں مگر اللہ کا شکر ادا کرنا نہ بھولیں۔ شکر ادا کرنے سے عزم و ہمت میں اضافہ ہوتا ہے۔

ایک بزرگ کی خدمت میں کسی نے عرض کیا کہ فلاں شخص عالی ہمت ہے، اپنے سونے چاندی کے سکّوں میں سے مجھے بھی سو سکّے نذر کئے ہیں۔ بات کئی بار دہرائی تو صاحب علم کو گراں گزرا۔ براہ راست کہنے کے بجائے تمثیل کے ذریعے اصلاح کی۔

فرمایا — ایک بادشاہ مخیّر اور فراخ دل تھا۔ دور دور شہرت تھی۔ عوام کو آسانیاں فراہم کی ہوئی تھیں۔ ہفتے میں دو تین مرتبہ ضیافت کا اہتمام کرتا، دانش وروں کو بلاتا

اور قسم قسم کے لذیذ کھانے کھلاتا۔

ایک روز قریبی ساتھی نے بادشاہ سے کہا کہ آپ شہر کے تمام دانش وروں کی دعوت کرتے ہیں مگر ایک درویش کو نظر انداز کر دیا ہے جو قریب میں رہتا ہے۔ پڑوسی کو چھوڑ کر دوسروں کی دعوت کرنا مناسب نہیں۔

اگلی بار ضیافت میں درویش کو بلایا گیا مگر اس نے معذرت کر لی کہ میں گھر سے باہر جانا پسند نہیں کرتا۔

بادشاہ نے پیغام بھجوایا کہ میرا محل بھی آپ کا گھر ہے۔

درویش نے کہا، بادشاہ کا سونے چاندی کا گھر میرے کس کام کا — ؟ متاع حیات یہ نہیں!

قاصد بادشاہ کا پیغام لے کر واپس آیا اور کہا کہ بادشاہ پوچھتے ہیں کہ پھر تمہاری متاع حیات کیا ہے — ؟

درویش نے کہا، اللہ سے واقف ہونے کی جدوجہد اور اس کی مخلوق کی خدمت۔

قاصد بولا، خدمت تو بادشاہ بھی کرتا ہے۔

درویش نے کہا، ٹھیک کہتے ہو، سائل میرے پاس آتا ہے اور بادشاہ کے پاس بھی۔ رزق مجھے بھی ملتا ہے اور اسے بھی۔ بادشاہ کو اپنا کھانا لذیذ معلوم ہوتا ہے میں اپنے گھر میں روٹی سے زیادہ کوئی شے لذیذ نہیں پاتا۔ اس کے پاس سونے چاندی کے خزانے ہیں۔ اللہ نے مجھے علم کے خزانے عطا کئے ہیں۔ بادشاہ کا خزانہ مٹی ہے، میرا خزانہ — مٹی نہیں ہے۔ بتاؤ ہم دونوں میں سے بادشاہ کون ہے — ؟ بادشاہ سے کہو، کسی روز فقیر کے گھر مہمان بنے۔

قاصد نے پیغام دیا، بادشاہ بہت متاثر ہوا اور پہلے سے زیادہ عاجزی اختیار کی۔

تمثیل سنا کر بزرگ نے نوجوان کو دیکھا۔

وہ سمجھ گیا کہ میری اصلاح کی گئی ہے۔

ہمت — عزم اور صبر ہے۔ یہ پیغمبروں کی صفت ہے۔ ٹائم اور اسپیس کے نظام میں ہر شے صبر کے مراحل سے گزرتی ہے اسی وجہ سے ہر شے کا ٹائم اور اسپیس الگ ہے۔ اس سے وجود (جس شے کا ہو) میں اگلے مرحلے میں داخل ہونے کی سکت پیدا ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر بچہ پیدا ہوتے ہی جوان نہیں ہوتا، اگر ایسا ہوا تو شعور برداشت نہیں کرے گا اور جوانی میں اس کا ذہن چھوٹے بچے کا ہوگا۔ وقت کے ساتھ بچہ شعوری مراحل طے کر کے جوان ہوتا ہے۔

یہ دنیا امتحان گاہ ہے لیکن اس میں انعامات و اکرامات بھی ہیں۔ جو شخص ایک نیکی کرتا ہے اس کی نیکیاں بڑھا دی جاتی ہیں اور جو شخص زیادتی کرتا ہے، اس کی نیکیاں کم ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ،

''تم شکر ادا کرو گے تو میں اور دوں گا اور ناشکری کرو گے تو میرا عذاب سخت ہے۔'' (ابراھیم:۷)

ہمت کا جذبہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے کہ اسی سے دنیا کے مراحل طے ہوتے ہیں اور یہاں کے بعد کی دنیا بھی فرد کے لئے یہاں کی طرح رنگین ہو جاتی ہے۔

اقتباسات

’’ماہنامہ قلندر شعور‘‘ کو گلدستہ بنانے کے لئے قارئین کی کوششیں قابل قدر ہیں۔قرآن کریم، آسمانی کتابوں، ملفوظات، تاریخ، انکشافات اور سائنسی فارمولے بھیج کر اس رسالے کا حصہ بن سکتے ہیں۔ تحریر کم وبیش 120 الفاظ پر مشتمل ہو۔

نسبت کا مطلب ہے بڑوں کی سوچ منتقل ہونا۔سوچ اس طرح منتقل ہو کہ آپ کا مزاج بن جائے۔آپ وہی کام کرنے لگیں جو آپ کے بزرگ کرتے ہیں۔ بچے وہی بول بولتے ہیں جو بزرگ بولتے ہیں۔روحانی اساتذہ اس بات کا اہتمام کرتے ہیں کہ وہ خود عمل کرتے ہیں۔شاگردوں کے لئے ان کا عمل مشعل راہ ہوتا ہے۔ شاگرد ان کی سوچ کے مطابق عمل کرتے ہیں۔روحانی استاد کی طرز فکر اور عمل کو قبول کرنا فیض یا نسبت ہے۔ بیوی شوہر کا احترام کرتی ہے، بچے از خود باپ کا احترام کرتے ہیں۔میاں بیوی آپس میں احترام کریں گے تو بچے بھی آپس میں نہیں لڑیں گے۔ باپ بیوی کو کنیز بنا کر رکھے گا۔ بچے یہ سمجھیں گے کہ میری ماں کی کوئی عزت نہیں ہے، وہ ماں کی عزت نہیں کریں گے۔ بزرگوں کی عادات، بزرگوں کی سخاوت اور علم منتقل ہونے کو ’’نسبت‘‘ کہتے ہیں۔

(مرسلہ: محسن شاہ، کتاب: خطبات ملتان)

انسان کا کوئی بھی کردار پہلے سے ماضی میں ریکارڈ ہے۔ ماضی میں موجود کسی بھی کردار یا صلاحیت کو جتنا بیدار کریں اتنا ہی صلاحیت بیدار ہوتی ہے۔مطلب یہ ہے کہ یہاں پر ڈاکٹر بھی ہیں، انجینیئر بھی ہیں اور ٹیچر بھی ہیں۔ جو شخص ڈاکٹر بننا چاہے، اندر ریکارڈ ڈاکٹر کی صلاحیت کو بیدار کر لے تو وہ ڈاکٹر بن جاتا ہے۔ جو شخص اپنی ذات (ماضی) سے باخبر ہوتا ہے وہ ایسی دنیا میں داخل ہوتا ہے جہاں رنج والم، عدم تحفظ، پریشانی، بے سکونی اور ذہنی انتشار نہیں ہے۔ جس درجے میں جدوجہد صلاحیت کو بیدار کرنے میں اجاگر ہوگی اسی مناسبت سے وہ کامیاب ہوگا۔اور جب کوئی شخص اپنی صلاحیتوں کی حقیقت اور مکمل کارکردگی سے بے خبر رہتا ہے وہ اپنی ذات کا جائزہ نہیں لے سکتا۔ وہ یہ نہیں جان سکتا کہ اس کی ذات کہاں تک محیط ہے اور یہی آدمی کی سب سے بڑی محرومی ہے۔

(مرسلہ: ثمرین فاطمہ، کتاب: قوس قزح)

سلیکان

اسمارٹ ہاؤس کے نام سے جو گھر بنائے گئے ہیں وہاں ہر شے بولتی ہے۔فریج ــــ باورچی خانے کے نل سے، اور ٹی وی ــــ چولھے سے باتیں کرتے ہیں۔نل یا چولہے کی رفتار کم یا زیادہ کرنی ہو تو اس کے احکامات دیئے جاتے ہیں۔

زمین پر آکسیجن کے بعد سب سے زیادہ پایا جانے والا عنصر سلیکان ہے۔عنصر دو یا دو سے زیادہ ایٹموں کے مرکب کو کہتے ہیں۔ کیمیائی عناصر کے periodic table (دوری جدول) میں اس کا چودھواں نمبر ہے اس طرح سلیکان کا ایٹمی نمبر 14 ہے۔

ہزار طریقوں سے استعمال کے بعد بھی پوری طرح پتہ نہیں چل سکا کہ یہ عنصر کیا کچھ کمال دکھا سکتا ہے کیوں کہ تحقیق و تلاش ہر تھوڑے عرصے بعد سلیکان کے نئے استعمال سے متعارف ہوتی ہے۔

سلیکان کا تعلق کاربن کے خاندان سے ہے۔ پرانے وقتوں میں یہ مصر، چین اور چند دیگر ممالک میں تسبیح کے دانے اور گلدان بنانے میں استعمال ہوتا تھا۔ اس سے بننے والے گلاس کے استعمال کی تاریخ تقریباً 1500 قبل مسیح بتائی جاتی ہے۔سلیکان لاطینی لفظ سلیکا سے ماخوذ ہے۔سلیکا کے معنی سخت پتھر ہیں۔ 1824ء میں محققین نے اسے سلیکان کا نام دیا۔

سلیکان بہت کم خالص حالت میں ملتا ہے۔زیادہ تر یہ مختلف عناصر کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔خالص کرنے کے لئے مختلف طریقِ کار استعمال کئے جاتے ہیں۔ خالص سلیکان سخت اور گہرے سرمئی کرسٹل کی شکل میں ہوتا ہے اور ہیرے سے مماثلت رکھتا ہے۔سلیکان اور کاربن کئی طرح سے یکساں کیمیائی اور طبعی خواص رکھتے ہیں۔

سلیکان انسانی جسم کے لئے بہت اہم عنصر ہے۔ ہڈیوں اور ان سے متعلق ٹشوز بنانے میں اس کا کردار اہم ہے۔اس سے کیلشیم اور دوسرے معدنیات کو ہڈیوں کے ٹشوز میں جذب ہونے میں مدد ملتی ہے بصورت دیگر ہڈیاں بوسیدہ ہو جاتی ہیں۔کھال، بال اور ناخن کے مسائل کے حل میں معاون ہے۔خیال رہے کہ سلیکان براہ راست کھانے میں استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ جن سبزیوں میں سلیکان ہے ان کے ذریعے حاصل

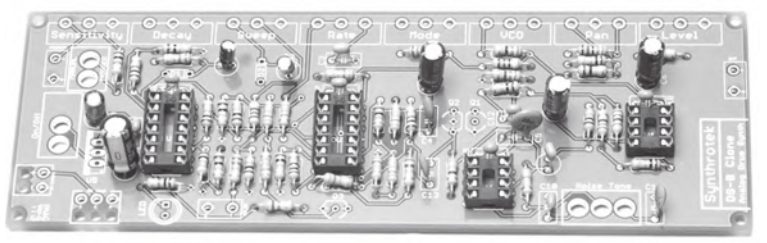

پرنٹڈ سرکٹ بورڈ PCB

کیا جاتا ہے۔سلیکان کی کمی سے ناخن میں گڑھے پڑتے ہیں، بال گرتے ہیں اور جگہ جگہ سے کھال سخت ہوجاتی ہے۔ساتھ ساتھ آرتھرائیٹس اور امراض قلب کے خطرات لاحق ہوتے ہیں۔

جسم میں سلیکان کی مقدار میں کمی سے بچنے کے لئے غذا میں سبزیاں بڑھائی جائیں۔سلیکان قدرتی طور پر سب سے زیادہ سبزیوں میں پایا جاتا ہے۔ پالک وہ سبزی ہے جس میں سلیکان اور پانی کا ذخیرہ دیگر سبزیوں کے مقابلے میں زیادہ ہے مگر ضروری ہے کہ پالک کو زیادہ نہ پکایا جائے نہ فریز کیا جائے۔اس کے علاوہ ہری سبزیاں جیسے کھیرا، گوبھی، بھنڈی، مٹر۔ اناج میں جو اور چاول جب کہ پھلوں میں نارنجی، سیب، چیری اور انگور میں سلیکان شامل ہے۔

سلیکان کی اہمیت کی وجہ صرف صحت نہیں ٹیکنالوجی بھی ہے۔اسے ترک کرنے پر ٹیکنالوجی ہم سے منہ پھیر لے گی اور ہم دوبارہ سے پتھروں کے دور میں داخل ہوجائیں گے۔

بجلی کی ایجاد کے ساتھ ایجادات میں تیزی آئی جیسے کہ اندھیری روشنی سے ناواقف لوگوں کے گھروں میں بلب سے رات روشن ہوئی، فریج نے چیزیں ٹھنڈی کرنا شروع کیں۔پھر پنکھے، گاڑی، جہاز اور دیگر آلات نے ذہن کی رفتار تیز کردی۔ یہاں تک کہ بجلی کی چیزوں نے الیکٹرانک روپ دھارلیا۔

سرکٹ ایجاد ہوئے اور ٹیکنالوجی کے آلات کے سائز کو چھوٹا کرنے کی ابتدا ہوئی۔الیکٹرانک مصنوعات میں سرکٹ کے استعمال نے ٹیکنالوجی کی دنیا میں طوفان برپا کردیا۔ پھر کمپیوٹر نے آکر ہر ایجاد پیچھے کرکے نئی قسم کی ایجادات متعارف کرائیں اور دنیا کو عالمی دیہات کی حیثیت دے دی۔

آج ہم اس مقام تک پہنچ گئے ہیں کہ ہمارے گھر جادوئی گھروں کا منظر پیش کرنے لگے ہیں۔اسمارٹ ہاؤس کے نام سے جو گھر ہیں وہاں ہر شے بولتی ہے۔ فریج ــــ باورچی خانے کے نل سے، اور ٹی وی ــــ چولھے سے باتیں کرتے ہیں۔نل یا چولہے کی رفتار کم یا زیادہ کرنی ہو تو اس کے احکامات دیئے جاتے ہیں۔

اسمارٹ ہاؤس میں آپ کو دروازہ کھولنے، ونڈو بلائنڈز ہٹانے یہاں تک کہ جو معلومات چاہئیں یا حکم دینا ہو تو اٹھ کر جانے کی ضرورت نہیں — بیٹھے بیٹھے آواز لگائیے، کھڑکی، پنکھا اور اے سی حکم کی تعمیل کریں گے۔ ان چیزوں کو جتنا تیز یا کم کرنا چاہیں تو آپ ان تک پہنچے بغیر بیٹھے بیٹھے ایسا کر سکتے ہیں۔

انٹرنیٹ میں سے معلومات لینی ہیں تو صرف آواز لگائیے، معلومات سنا دی جائیں گی۔ اذان کا وقت ہو، سحری یا افطار میں جگانا ہو یا گھر میں آٹا ختم ہو گیا ہو، آپ کو جا کر دیکھنے یا الارم لگانے کی ضرورت نہیں، آپ کا اسمارٹ ہاؤس خود بتا دے گا۔

یہ تخیلاتی جادوگری کا ذکر نہیں بلکہ کمپیوٹر سے چلنے والے اسمارٹ ہاؤس کی چھوٹی مثال ہے۔ جہازوں میں آٹو پائلٹ کے بعد اب بغیر ڈرائیور چلنے والی گاڑیاں آ گئی ہیں اور یہ سب الیکٹرانک سرکٹ کی بدولت ہے۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ بات سلیکان کی ہو رہی ہے پھر مضمون میں ٹیکنالوجی اور الیکٹرانک سرکٹ کا ذکر کیوں ہے — ؟

الیکٹرانک سرکٹ جس چیز پر بنتے ہیں اسے پی سی بی یعنی پرنٹڈ سرکٹ بورڈ کہتے ہیں۔ پی سی بی وہ بورڈ ہے جس پر الیکٹرانک سرکٹ بنایا جاتا ہے۔ سرکٹ کو ایسی راہداری کہا جا سکتا ہے جو مختلف گھروں سے گزرتی ہوئی کہیں جا رہی ہے۔

پی سی بی پر لگے ہوئے مختلف الیکٹرانک آلات کو آپ گھر سمجھ سکتے ہیں جو سرکٹ میں داخل ہونے والے کرنٹ کی وجہ سے حرکت کرتے ہیں اور نتیجہ بھی کرنٹ کی صورت میں سرکٹ سے باہر آتا ہے اور دوسرے سرکٹ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس طرح ایک ایک کر کے تمام آلات سے گزر کر جب کرنٹ سرکٹ سے باہر آتا ہے تو سرکٹ جس کام کے لئے بنا ہے اس کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

مثال کے طور پر آپ کے پاس الیکٹرانک ٹائمر ہے۔ ٹائمر میں الارم لگاتے ہیں۔ اسپیکر سے الارم کی آواز آتی ہے۔ گھنٹوں یا منٹ کے تعین کے بعد الارم میں موجود آئی سی وقت کا حساب لگانا شروع کر دیتا ہے کہ کتنے منٹ یا گھنٹے بعد الارم بجانا ہے۔ جیسے ہی ٹائمر کا بٹن دباتے ہیں، کرنٹ فوراً chip کے پاس جاتا ہے، chip کرنٹ کو سرکٹ کے اس حصے میں اس وقت تک جانے نہیں دیتا جہاں الارم بجانے والا آلہ لگا ہے۔ کرنٹ گھوم کر آئی سی میں آتا ہے اور ایک سیکنڈ میں لاکھوں دفعہ یہ عمل انجام پاتا ہے۔ وقت پورا ہونے پر chip کرنٹ کو سرکٹ میں اس طرف جانے کی اجازت دیتی ہے جہاں الارم بجانے والا آلہ لگا ہے۔ اس سارے عمل میں سلیکان کہاں ہے — ؟

الیکٹرانک سرکٹ اور chip کے اندر کا سرکٹ سلیکان کی وجہ سے ایجاد ہوا۔ وہ تمام الیکٹرانک آلات جن میں سرکٹ استعمال ہوتا ہے، ان کو بنانے میں

سب سے اہم مرکب سلیکان ہے۔

خوب صورت رنگ برنگی مچھلیوں کو گھروں میں رکھنے کے شوقین لوگ شیشے کا بنا ہوا ایکوریم استعمال کرتے ہیں جس میں شیشے کے پانچ ٹکڑے استعمال ہوتے ہیں، چار ٹکڑوں سے دیواریں اور پانچویں سے زمین بنتی ہے۔ تمام ٹکڑے ایسے مضبوط مواد سے جوڑے جاتے ہیں جو شیشے پر پانی کے دباؤ کو برداشت کرنے کے ساتھ واٹر پروف ہوتا ہے۔ شیشے الگ ہوتے ہیں نہ پانی رستا ہے۔ ایکوریم جس مادے سے بنتا ہے اس کا نام سلیکان ہے۔

گلاس کے علاوہ سلیکان کی وجہ سے ایسے میٹریل بھی جڑ جاتے ہیں جنہیں عام طور پر جوڑنا مشکل ہے جیسے کنکریٹ، گلاس، المونیم، پلاسٹک، ماربل، اسٹیل اور گرینائٹ وغیرہ۔ سلیکان کی اس صلاحیت کی وجہ سے آج بڑی بڑی عمارتوں میں گلاس کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس سے توانائی کی بچت ہوتی ہے کیوں کہ ایسی عمارتوں میں دن کے وقت سورج کی روشنی سے استفادہ ہوتا ہے۔

شیشے کی دیوار میں دروازہ بنا ہے۔ سلیکان نے دیوار کو جوڑ کر رکھا ہے، دروازے سے اندر داخل ہوں تو سامنے شیلف پر میک اپ کا سامان ہے۔ اس میک اپ میں بھی سلیکان شامل ہے۔ خوب صورت بنانے کی مصنوعات میں ایک شے استعمال ہوتی ہے جسے Silicone کہتے ہیں۔ تلفظ دونوں کا ایک ہے اور یہ Silicon سے ہی بنتا ہے۔

آپ کوئی شے کھائیں، لگائیں یا چیزوں کو جوڑ کر استعمال میں لے آئیں، سلیکان کی مدد حاضر ہے۔

قارئین سے سوال ہے کہ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس وقت دنیا بھر بالخصوص پاکستان میں سلیکان کا سب سے مقبول استعمال کیا ہے ــــ؟

جواب: سولر سیل۔

سلیکان کے بے شمار استعمال دریافت ہو چکے ہیں اور نہ جانے کتنے ظاہر ہونے کے لئے منتظر ہیں۔ ایک عنصر کا لاشمار اشیا میں استعمال کائناتی نظام میں اس کی اہمیت ظاہر کرتا ہے کہ سلیکان کی وسیع دنیا انکشافات سے بھرپور ہے۔

سلیکان کائنات میں سب سے زیادہ پائے جانے والے عناصر میں آٹھویں نمبر پر ہے۔ یہ مختلف سیاروں میں ریت، ذرّات اور آکسائیڈ کی صورت میں ملتا ہے۔ زمین کی سطح کا 90 فی صد سلیکان معدنی شکلوں سے مل کر بنا ہے۔ اس وجہ سے یہ آکسیجن کے بعد زمین پر سب سے زیادہ پایا جانے والا عنصر ہے۔

قارئین! سلیکان کے بارے میں اگر کچھ لکھنا چاہیں، ''ماہنامہ قلندر شعور'' کے صفحات حاضر ہیں۔

ملک محمد ناصر

بیٹا! ایک دو دن آرام کرنا

آدمی کی فطرت ہے کہ وہ طاقت سے مرعوب ہوتا ہے اور اپنے گرد ایسے لوگوں کا حلقہ چاہتا ہے جن کی سنگت میں خود کو محفوظ تصور کرے۔ احساس تحفظ کی بنا کر وہ دوسروں کی حق تلفی سے گریز نہیں کرتا۔ بادشاہ کا تعین محنت پر ہوتا تو یقیناً جنگل کا بادشاہ گدھا بھی ہوسکتا تھا۔

دروازہ کھٹکھٹانے پر اندر سے آواز آئی، کون ــــ؟

بابا جی میں ہوں شیرو۔

اندر آجاؤ۔

شیرو نے دروازے کے پٹ کھولے اور بھتیجے کے ساتھ جو لنگڑا کر چل رہا تھا، کمرے میں داخل ہوا۔

بابا رحمت نے پوچھا، کیا بات ہے اور یہ بچہ کیوں لنگڑا کر چل رہا ہے ــــ؟

بابا جی! اسی کے لئے آیا ہوں۔ آج صبح منڈی جانے کے لئے جگایا کہ اٹھ کر جلدی سے گاڑی تیار کرلو۔ دیر ہورہی تھی۔ نجانے اس نے گدھے کے ساتھ کیا سلوک کیا کہ اس نے ٹانگ ماردی۔ بچے کے گھٹنے اور ٹانگ پر چوٹیں آئی ہیں اور چلنا پھرنا مشکل ہوگیا ہے۔ بابا جی میں نے گدھے کی پٹائی کی ہے۔ شیرو کے آخری جملے پر بابا رحمت نے چونک کر اسے دیکھا پھر طاق میں رکھی بوتل سے تیل لے کر عمر کی ٹانگ پر مالش کرنے لگے۔ بابا رحمت جانتے تھے کہ بستی میں صرف وہی ہیں جن کا شیرو احترام کرتا ہے اس لئے براہ راست نہیں ٹوکا۔

کچھ توقف کے بعد اس کے بھتیجے سے کہا، بیٹا! یہ گدھا اتنا خدمت گزار ہے۔ صبح سے شام تک تمہارے ساتھ گاڑی کھینچتا ہے۔ اس کی ضرورت روٹی پانی اور آرام ہے مگر وہ دن بھر کولہو کے بیل کی طرح چلتا رہتا ہے۔ دیکھو وہ تمہارے گھر کا ایک فرد اور تمہاری روزی کا سانجھی ہے۔ آج بیچارے نے تھوڑی سستی دکھائی تو تم نے اس کی پٹائی کردی۔

بابا رحمت نے پاس پڑے کپڑے سے پٹی بنا کر لڑکے کے پاؤں پر باندھتے ہوئے کہا، بیٹا! ایک دو دن آرام کرنا۔ شیرو اور اس کے بھتیجے نے بابا رحمت کو سلام کیا اور باہر آگئے۔

کائنات میں جتنی نوعیں ہیں لاشعوری طور پر ایک دوسرے سے آگاہ ہونے کے ساتھ سب کے لئے ایثار کا جذبہ رکھتی ہیں اور جذبے کی تکمیل میں ہمہ وقت

مصروف ہیں۔یہی جذبہ کائنات کی رگِ جان ہے اور خالق کا مخلوق کے لئے ایک بڑا انعام ہے۔

''پھر تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔''

(الرحمٰن: ۱۳)

ہم پرندوں کو دانہ ڈالتے ہیں، وہ خوش ہوتے ہیں اور جھوم جھوم کر ہمیں نغمے سناتے ہیں۔صبح مرغ بانگ دے کر جگاتا ہے۔پودے پانی ملنے پر مہک سے فضا کو معطر کرتے ہیں۔ہوا جو زندگی کو قائم رکھتی ہے، بادِنسیم کی شکل میں کیسے کیسے راگ سناتی ہے۔

درختوں پر پھل لگتے ہیں تو وہ کچے پھلوں کو جو عموماً سبز ہوتے ہیں، سبز پتوں میں چھپا لیتے ہیں تاکہ بے صبر آدمی وقت سے پہلے توڑ کر انہیں کھا نہ لے ورنہ بیمار ہو جائے گا۔پھل پکتے ہیں تو ان کی چمک تمہیں متوجہ کرتی ہے۔یہ چمک دراصل فنا ہونے کی خواہش ہے کہ وہ جس مٹی سے دور ہوئے ہیں، تمہاری غذا بننے کے بعد دوبارہ مٹی میں ملنا چاہتے ہیں۔ مگر ہم ذائقے میں اس قدر کھو جاتے ہیں کہ پھلوں کا شکریہ ادا نہیں کرتے کیوں کہ ہم ان کو مخلوق نہیں، خوراک سمجھتے ہیں۔

پھول حسن اور مہک کے باوجود خوب صورتی کی پروا نہیں کرتا۔وہ اپنے حسن سے زیادہ حسین جذبے ''ایثار'' سے سرشار ہے۔کبھی محبوب کے گلے کا ہار بنتا ہے، کبھی گجرا بن کر ہاتھوں میں مہکتا ہے، زلفوں میں سجے تو حسن کو چار چاند لگا دیتا ہے، قدموں میں بچھ کر قالین بن جاتا ہے اور جب پھولوں کا عرق کشید کیا جائے تو یہ بیماروں کی دوا بن جاتے ہیں۔

پانی سورج کی حدت سے بھاپ بن کر اوپر اٹھتا ہے اور اونچائی پر جا کر بادلوں میں جا چھپتا ہے۔ بھاپ دوبارہ قطروں کا روپ دھار لیتی ہے۔بوجھل قطرے برس کر زمین کو نمو دیتے ہیں۔ان میں موجود توانائی بیج میں منتقل ہوتی ہے اور قسم قسم کی مخلوقات ظاہر ہوتی ہیں۔

ایک شے دوسری شے کے لئے حیات ہے۔مقدار چھوٹی ہو یا بڑی، کوئی کم تر اور برتر نہیں۔ایک جز کم ہو جائے، نظام میں تعطل آجائے گا۔

فطرت میں ہر طرف ایثار ہے۔صرف آدمی ایسی مخلوق ہے کہ معمولی غلطی سرزد ہونے پر غصے میں لال پیلا ہو جاتا ہے اور نہیں سوچتا کہ جس کو ہم نے تکلیف پہنچائی، اس نے ہمارے لئے کتنی قربانی دی ہے۔

قانون شہر کا ہو یا جنگل کا — حکومت یا اقتدار اکثریت کی بنیاد پر قائم ہے۔کثیر تعداد غالب اور قلیل محدود ہو جاتی ہے۔تعداد کم ہو لیکن طاقت میں کوئی ہم پلہ نہ ہو تو اقتدار اس گروہ کو ملتا ہے جس کی تعداد قلیل مگر اثر و رسوخ وسیع ہے۔

شیر جنگل کا بادشاہ کب بنا، کسی کو نہیں معلوم۔ممکن ہے خود شیر بھی ناواقف ہو کیوں کہ یہ آدمی ہے جس نے شیر کے جاہ و جلال کو دیکھ کر اسے بادشاہ بنا دیا ورنہ شیر سے زیادہ سمجھ دار اور باصلاحیت جانور جنگل میں

موجود ہیں۔شیر کو بادشاہ تسلیم کرنے کی وجہ ایک ہی سمجھ میں آتی ہے ــــ اس کا رعب، اس کی دھاڑ!

آدمی کی فطرت ہے کہ وہ طاقت سے مرعوب ہوتا ہے اور اپنے گرد ایسے لوگوں کا حلقہ چاہتا ہے جن کی سنگت میں خود کو محفوظ تصور کرے۔احساس تحفظ کی بنا پر وہ دوسروں کی حق تلفی سے گریز نہیں کرتا۔بادشاہ کا تعین محنت پر ہوتا تو جنگل کا بادشاہ گدھا بھی ہوسکتا تھا۔

شیرو اسی معاشرے کا فرد ہے جو بظاہر شہر میں رہتا ہے لیکن تقاضے جنگلی حیات جیسے ہیں۔وہ معاشرتی قدروں کو لاقانونیت کے تناظر میں دیکھتا ہے اور بستی میں اپنا قانون نافذ کرنا چاہتا ہے۔

ایک اجنبی آم فروخت کرتے ہوئے شیرو کی بستی میں آنکلا۔لاعلم تھا کہ یہاں بدمعاشوں کا راج ہے۔اجنبی کو دیکھ کر شیرو کے کارندے ٹھیلے کے گرد اکٹھے ہوگئے۔

کیوں بھائی ــــ کون ہو ــــ کہاں سے آئے ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو ــــ؟ ان میں سے دو چار نے ریڑھی میں سے آم کھانا شروع کر دیا۔

آم والا گھبرا گیا اور بولا، بھائی غریب مزدور ہوں اور روزی کمانے کے لئے آم بیچ رہا ہوں۔

اچھا روزی کمانے آئے ہو یہاں۔یہ تیرے باپ کی جگہ ہے جو بغیر پوچھے یہاں گھوم رہا ہے ــــ؟ ان میں سے ایک نے چہرے پر مکّا مارتے ہوئے کہا۔

آم والا سہم گیا اور ناک سے بہتے خون کو صاف کرتے ہوئے ان کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

ایک بدمعاش نے کہا، جانتے نہیں یہ شیرو کا علاقہ ہے۔یہاں صرف استاد کا حکم چلتا ہے۔پھر انہوں نے ریڑھی الٹ دی اور آم سڑک پر بکھر گئے۔

آم والا بے بسی سے دیکھتا رہا۔

اتنے میں ایک قوی جسامت شخص مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے چند لوگوں کے ساتھ اس طرف آیا۔

او جیرے! کیا ہو رہا ہے اور یہ کون ہے؟

استاد یہ اجازت کے بغیر یہاں پھل بیچ رہا ہے۔

بھائی جی! جانتا نہیں کہ یہاں شیرو کی حکومت ہے؟

دو چار لڑکے آگے بڑھے اور اس کی پٹائی کر دی۔وہ بے چارہ منتیں کرتا رہا لیکن ان لوگوں نے دھنائی کے ساتھ آموں سے بھی ہاتھ صاف کیا۔

اسے بتا دو یہاں رہنا ہے تو ہم سے اجازت لینا ہوگی اب خرچہ ورچہ لے کر جانے دو! شیرو استاد نے حکم صادر کیا اور شاہانہ قدموں سے آگے بڑھ گیا۔

آم والا قریب موجود دوسری بستی میں رہتا تھا۔شیرو کے نام سے واقف تھا مگر بربریت آج دیکھی تھی۔جب وہ بستی میں لوٹا تو سوجھا ہوا منہ، کپڑے پھٹے ہوئے اور خالی ریڑھی دیکھ کر سب اکٹھے ہوگئے۔

شیرو سے یہ لوگ بھی پریشان تھے۔

کسی نے مشورہ دیا، ہمیں یہ علاقہ چھوڑ دینا چاہئے۔ ہماری بستی بھی اس کے ستم سے محفوظ نہیں۔

بوڑھے مکین نے کہا، بیٹا! جس طرف جاؤ گے ہر بستی میں ایک شیر و بیٹھا ہے۔ نام کے اثرات ہوتے ہیں۔ شیر اپنی بہادری کی بنا پر جنگل کا بادشاہ ہے۔ بہادری کا مظاہرہ سفاکیت کے تحت بھی ہوتا ہے اور معافی کے ذریعے بھی۔ لیکن اس وقت شیرو کے اندر فساد اور تخریب کی صفات دور کر رہی ہیں۔ کوشش کرو کہ اس کے علاقے کا رخ نہ ہو اور اسے اپنے علاقے میں آنے کا موقع نہ دو۔

سخت گرمی میں سڑکیں ویران اور گلیاں سنسان تھیں۔ لوگ باہر کم نکلتے تھے۔ دہاڑی دار طبقہ خاص طور سے پریشان تھا۔ ادھر شیرو نے ٹھیلے والوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کے بعد روزانہ کا بھتّہ بھی بڑھا دیا۔ کاموں سے فارغ ہونے کے بعد بستی کے لوگ مویشیوں کو پانی پلانے کے لئے نزدیک موجود جوہڑ پر لے جاتے تھے۔ جوہڑ بھی گرمی کی شدت سے خشک ہو رہا تھا۔ باران رحمت کی دعائیں کی گئیں۔

بارش ہوئی تو ہر چہرہ مسکرا اٹھا۔ جوہڑ، ندی، نالے اور دریا بھر گئے۔ بارشوں کا سلسلہ کیا شروع ہوا کہ پھر رکا نہیں۔ دریا میں پانی خطرے کے نشان کو چھونے لگا اور پھر نشان بھی چھپ گیا۔ لوگوں کی پریشانی بڑھ گئی یہاں تک کہ ایک روز بستی کے قریب بہنے والی نہر کا بند ٹوٹ گیا۔

پانی کا زوردار ریلا اژدہے کی طرح منہ کھولے آگے بڑھ رہا تھا۔ گھروں کا سامان بہہ گیا۔ لوگ بچا کچا سامان اور بچوں کو کندھوں پر بٹھائے محفوظ ٹیلے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اس دوران ایک بڑا ریلا آیا اور کئی لوگوں کو ساتھ لے گیا۔

شیرو پہلے ہی ٹیلے تک پہنچ گیا اور لوگوں کو سیلاب میں تنکوں کی طرح بہتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ جس علاقے پر اس نے راج کیا، وہاں اب پانی کی حکم رانی تھی۔ وہ خاموشی سے آنکھوں کے سامنے لوگوں کو چیخ و پکار کرتے اور مدد کے لئے پکارتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ احساس ہوا کہ زمین کسی کی میراث نہیں اور نہ دعوے دار کو قبول کرتی ہے۔ طاقت کا خمار پانی میں بہہ گیا۔

پھر اچانک شیرو نے پانی میں چھلانگ لگا دی۔ لوگ حیران تھے کہ یہ کیا ہوا۔ معلوم ہوا کہ وہ ایک ڈوبتی ہوئی عورت کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ریلا عورت کو گہرے پانی میں لے گیا۔ وہ لہروں میں ڈوب اور ابھر رہی تھی۔ شیرو عورت کے قریب پہنچا اور اسے لے کر تیزی سے کنارے کی طرف بڑھا۔ خشکی پر کھڑے لوگوں نے انہیں باہر آنے میں مدد دی۔

اچانک کسی نے پکارا — شیرو! میرا بچہ۔ وہ پانی میں ڈوب رہا ہے، خدارا اسے بچاؤ۔

شیرو پھرتی سے واپس مڑا اور بچے کی طرف بڑھنے لگا۔ پانی کا زور کم نہیں ہوا مگر شیرو پر جنون سوار تھا۔ اس نے بچے کو کنارے کی طرف اچھال دیا۔ شاید خود کو خطرات میں ڈال کر وہ ان تکالیف کا ازالہ کرنا چاہتا تھا

جواس نے زمین کو پہنچائی تھی۔لوگ خوشی سے چلا اٹھے اور کہا،تم بھی اب باہر آجاؤ۔

خوف ناک لہروں سے نبرد آزما شیرو تھک چکا تھا۔ ایک اور ریلا آیا جس نے شیرو کو بے بس کر دیا اور اس نے خود کو ریلے کے سپرد کر دیا۔

ٹیلے پر کھڑے لوگ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔پانی کا شور اور لوگوں کا اضطراب ــــ! سب اس شیرو کے لئے دعائیں کر رہے تھے جسے وہ بد دعائیں دیتے تھے۔

کافی دیر تک انہیں وہ نظر نہیں آیا۔مبہم امید تھی کہ وہ بہادر ہے،ابھی پانی سے باہر آئے گا مگر لگتا تھا کہ اس نے گناہوں کا ازالہ کر دیا ہے اور فطرت کو اپنی قربانی پیش کر دی ہے۔

ہر فرد مختلف صلاحیت کا مجموعہ ہے۔جس صلاحیت سے خلق خدا کو فائدہ پہنچے وہ اچھی ہے اور جو نقصان کا باعث بنے،وہ اللہ کو ناپسند ہے۔

واقعے کے بعد برا شیرو لوگوں کے لئے اچھا بن گیا۔ مائیں بچوں کو اس کی بہادری کی داستان سناتی تھیں۔ بہادر وہ پہلے بھی تھا مگر اس کی موجودگی کو بستی والے اپنی تیرہ بختی سمجھتے تھے۔جب ایثار نے خود غرضی کی جگہ لی تو وہ بہادری جس سے لوگ نالاں تھے،فخر اور خوشی میں بدل گئی۔اس نے اپنا قرض چکا دیا تھا۔

اللہ نے اس کے گناہ معاف کر دیئے۔

تربیت نہ ہو تو ــــ

شیخ سعدی کہتے ہیں کہ ایک لڑکے کو ورثے میں بہت دولت ملی۔اس نے نادانی کی اور غلط روش اختیار کی۔میں نے خوش حالی میں اسے بدحال دیکھا تو نصیحت کی،اے بیٹے! آمدنی بہتے پانی جیسی اور خرچ گھومنے والی چکی کی طرح ہے۔چکی کا چلنا پانی پر موقوف ہے اس لئے زیادہ خرچ کرنا اسے زیب دیتا ہے جس کی آمدنی کا کوئی ذریعہ ہو۔تیری آمدنی نہیں ہے تو خرچ کم کر۔کشتی چلانے والے گاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر پہاڑوں پر بارش نہ ہو تو ایک سال میں دجلہ خشک ہو جائے گا۔لڑکے کو شراب نوشی کی عادت تھی،میری بات رد کر کے کہا،آرام کو مستقبل کی فکر سے مکدر کرنا داناؤں کی رائے کے خلاف ہے۔ لڑکے نے بات نہیں مانی،میں نے نصیحت کرنا چھوڑ دی۔ایک مدت بعد ملاقات ہوئی۔میں نے اسے اس حال میں دیکھا جس کا مجھے خیال تھا۔وہ پیوند پر پیوند سیتا اور ایک ایک لقمہ بھیک جمع کرتا تھا۔تباہ حالی پر دل بھر آیا۔ایسی حالت میں ملامت کرنا اور زخم پر نمک چھڑکنا انسانیت کے خلاف سمجھا اور دل میں کہا، جو درخت موسم بہار میں پتّے جھاڑتا ہے وہ سردی کے موسم میں لاچار پتوں کے بغیر رہ جاتا ہے۔بات یہ ہے کہ بچپن میں تربیت نہ ہو تو جوانی میں نصیحت مفید نہیں ہوتی۔

محمد عدنان خان

پورب کے ہم زاد

رنگ وچمن، عروج وزوال، عشق وسرمستی اور فنا وبقا کے رنگوں سے معمور صدیوں پر محیط داستان جس کی مکانیت تبت کی فلک بوس چٹانوں سے لے کر ٹیکسلا کی سرسبز وادیوں تک پھیلی ہوئی ہے۔

ردا کا تعلق عرب نژاد پاکستانی خاندان سے تھا۔ پاکستان میں اپنی دوست نیلم کے گھر ذکر وفکر کی محفل میں بزرگ سے ملاقات ہوئی جن کی توجہ نے طبیعت میں روحانیت کی طرف میلان پیدا کر دیا۔ والد کے تبادلے کی وجہ سے ردا اور نیلم کے درمیان رابطہ منقطع ہو گیا۔ ردا نے برطانیہ کی ایک یونی ورسٹی میں داخلہ لیا۔ یہاں کاربن ڈیٹنگ کے پروفیسر جی آر چوہان کے لئے ردا کی شخصیت معمّا تھی جسے جاننے میں وہ ناکام رہے۔ یونی ورسٹی کی تعلیم کے بعد جب پی ایچ ڈی آخری مراحل میں تھی تو والد کا پھر پاکستان تبادلہ ہو گیا۔ اس نے تھیسز مکمل کرنے کے لئے ٹیکسلا کے آثار قدیمہ کا انتخاب کیا جہاں صدیوں پرانی داستان صفحۂ قرطاس پر ظاہر ہونے کے لئے ردا کی منتظر تھی۔ ٹیکسلا میں صدیوں پرانے کشان دور حکومت کا شہزادہ ملا جو اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اس کو شہزادے سے دور رکھنے کے لئے مکروہ صورت بوڑھا سامنے آیا اور ردا کی پریشانیوں کا آغاز ہوا۔ اب آگے پڑھئے۔

مجھے انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں داخل کیا گیا۔ روما پہنچ چکی تھی۔ اسماعیل بھائی اسے تسلی دے رہے تھے۔ پھر وہ دونوں مجھے خون دینے کے لئے اٹھے کہ استقبالیے پر موجود لڑکی تیزی سے اوپر آئی۔ ہاتھ میں اسکرین شدہ خون کی تین بوتلیں تھیں جو اس نے نرس کی طرف بڑھا دیں۔

روما نے پوچھا، خون کس نے دیا؟

لڑکی نے بتایا، آپ کے کوئی عزیز غنی بابا دے کر گئے ہیں۔ اسماعیل بھائی چونک گئے اور حلیہ پوچھا۔

نرس نے جو تفصیل بتائی وہ ان بزرگ کی تھی جو جائے حادثہ پر موجود تھے۔

روما نے پوچھا، کیا ردا ٹھیک ہو جائے گی؟

اسماعیل بھائی نے کہا، جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں لگتا ہے ہر طرف سے غیبی امداد ہے۔

اس دوران ڈاکٹرز نیلم کے کمرے سے باہر آئے اور کہا کہ آپ لوگ ان سے مل سکتے ہیں۔ نیلم کو کم چوٹیں آئی تھیں۔ مرہم پٹی کی جا چکی تھی۔

اسماعیل بھائی نے حادثے کی تفصیلات پوچھیں۔ وہ

سہمی ہوئی تھی ۔ بتایا کہ ردا کسی چیز کو دیکھ کر ڈر گئی تھی ۔ اس نے شور مچادیا اور تیزی میں گاڑی پل پر چڑھ گئی ۔ زوردار آواز آئی اس کے بعد مجھے کچھ یاد نہیں ۔

مجھے ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا۔ میں گھر والوں کے لئے پریشان تھی ۔ سب کے چہرے نظروں میں گھوم رہے تھے ۔ طبیعت ایسی بے چین ہوئی کہ سب کو چھوڑ کر تیزی سے اسپتال سے باہر آئی اور گھر کا رخ کیا ۔ اسپیس تیزی سے قدموں سے لپٹی اور میں لمحوں میں روما کے گھر کے باہر تھی ۔ امی حادثے سے بے خبر تھیں البتہ چہرے پر پریشانی تھی ۔ انہیں دیکھ کر سیدھی اسپتال آئی ۔

ڈاکٹرز اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ میں کوما میں ہوں ۔ رپورٹس تقریباً نارمل تھیں ۔ سر پر چوٹ آئی تھی مگر ایسی نہیں تھی کہ کومے کا سبب بنتی ۔ وجود بے حس و حرکت بیڈ پر پڑا تھا ۔

اسماعیل بھائی نے نیلم کو حادثے کا ذکر گھر پر کرنے سے منع کیا تھا ۔ اس دوران ابو کا فون آ گیا ۔ خبر ملی تو سخت پریشان ہوئے یہ کہہ کر فون بند کر دیا کہ وہ پہلی فلائٹ سے پاکستان آ رہے ہیں ۔

اسماعیل بھائی نے روما کو میرے پاس چھوڑا اور خود امی کو مطلع کرنے گھر کے لئے نکلے ۔ راستے میں ضروری کام نمٹانے تھے ۔ قدموں کی چاپ راہداری میں دور تک سنائی دی ۔ روما اور نیلم ساتھ بیٹھی میری صحت یابی کے لئے دعا کر رہی تھیں ۔

اس دوران میں نے سفید روشنی کے ہالے میں کچھ لوگوں کو اسپتال میں داخل ہوتے دیکھا ۔ وہ میری طرف بڑھے اور آس پاس کھڑے ہو گئے جیسے کہیں لے جانے آئے ہوں ۔ میں میکانکی انداز میں ان کے پیچھے چلنے لگی ۔ ہم تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہوئے پھر زمین تیزی سے صف کی طرح لپٹی اور ہم جلد اسلام آباد کی حدود سے باہر نکلے ۔

بلند عمارتیں غائب ہو چکی تھیں ۔ ان کی جگہ بڑے بڑے جنگلات ، جھرنے ، دریا اور کشتیاں دکھائی دیں پھر سب غائب ہوتا گیا ۔ مناظر تبدیل ہوتے رہے ۔ نہیں معلوم میں کن مقامات سے گزری ۔ طویل وقفے کے بعد گھوڑوں کی رفتار مدھم ہو گئی ۔

درمیان میں زمانیت اور مکانیت سکڑتی پھیلتی رہی ۔ صحرا ، بیابان ، پہاڑ ، ندیاں ، دریا گزرتے رہے ۔ چاند اور سورج اپنی منزلیں طے کر کے چکر در چکر گھومتے رہے ۔ بالآخر وہ مقام سامنے آیا جہاں یہ لوگ مجھے لے جانا چاہتے تھے ۔

مجھے ادراک نہیں تھا کہ یہاں تک پہنچنے کے لئے کتنی صدیوں پر محیط مسافت طے کی گئی ہے ۔ بہرحال یہ پائن اور چیڑ کے درختوں سے گھرا پہاڑ تھا جس کی چوٹی پر کچھ حصے کو ہموار کر کے قدیم طرز کی خوب صورت اور پائیدار جھونپڑی بنائی گئی تھی ۔ دیواریں پتھروں کو چونے کے ساتھ جوڑ کر بنائی گئی تھیں اور چھت چیڑ کے

درختوں کی موٹی شاخوں کو تراش کر ڈالی گئی تھی۔ جھونپڑی کے اطراف زیتون اور دیگر اقسام کے درختوں اور پودوں کا احاطہ تھا۔

ہر قدم پر حیرت تھی۔ احاطے کے دروازے پر اس جگہ کا جائزہ لے کر مڑی تو گھڑ سواروں کا دستہ جو مجھے یہاں لے کر آیا تھا، غائب ہوگیا۔ جسم میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ اس کے سوا اب کوئی راستہ نہیں تھا کہ خاموشی سے احاطہ میں داخل ہو جاؤں۔

بیرونی ماحول ہیبت ناک محسوس ہوا۔ درختوں سے گھری پہاڑ کی یہ چوٹی دن ڈھلنے کی وجہ سے تاریک ہو رہی تھی۔ سرد ہواؤں کے جھونکے ہڈیوں میں اتر رہے تھے۔ جھینگروں اور حشرات کی آوازوں نے ہیبت میں اضافہ کر دیا۔

پہاڑی جھینگر لال بیگ جیسی جسامت رکھنے والا کیڑا ہے جو گھنے پہاڑی جنگلات میں تیسرا پہر شروع ہوتے ہی بولنا شروع کر دیتا ہے اور جب یہ تعداد میں زیادہ ہوں اور اطراف میں موجود پہاڑوں کے درمیان فاصلے بھی مخصوص ہوں تو ان کی آوازوں سے پیدا ہونے والی گونج جنگل کو ہیبت زدہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔

میں نے والد کے تبادلوں کی وجہ سے کئی ممالک کا سفر کیا اور وہاں بڑے بڑے نیشنل پارک دیکھے مگر اس طرح کے ماحول سے کبھی واسطہ نہیں پڑا۔

خوف میں جھونپڑی نما گھر کی سمت قدم بڑھے۔ گھڑ سواروں کا کہنا تھا کہ انہوں نے مجھے میری منزل پر پہنچا دیا ہے جب کہ میں تو کشان دور سے منسلک اس شہزادے کے حالات سے دل چسپی رکھتی تھی جو ٹیکسلا میں ملا تھا۔ کہیں میں وقت کی بساط پر سفر کر کے کشان دور حکومت میں تو داخل نہیں ہوگئی ــــ؟

کشمکش میں دروازے پر پہنچی تو اندر کسی کی موجودگی بعید از قیاس محسوس ہوئی۔ اخلاقاً دروازے پر دستک دی اور پوچھا، کوئی ہے ــــ؟

آواز آئی،، دروازہ کھلا ہے آجائیں۔

آواز بابا جی کی تھی۔

فرط حیرت اور بے یقینی کے عالم میں تیزی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ وہ پتھروں سے بنائی گئی نشست پر براجمان تھے۔ چہرے اور ہونٹوں پر ہلکی مسکان۔ بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جھونپڑی کشادہ اور ضرورت کی اشیا سے مزین تھی مگر یہاں جو کچھ تھا، قدیم زمانے کی عکاسی کر رہا تھا۔

میں یہاں غیر مادی وجود کے ساتھ موجود تھی۔ جسم سے ہلکی دودھیا رنگ روشنی دھند کی مانند پھیلی ہوئی تھی۔ بابا جی میری جانب متوجہ تھے۔ سوال یا کوئی بھی بات پوچھنے کی اجازت تھی۔

بابا جی! میں کہاں ہوں؟ یہ کون سی جگہ ہے؟

کشان دور حکومت میں۔ یہ جگہ محفوظ ہے۔ تمہارا قیام کچھ عرصہ یہاں رہے گا۔ تم تمام معاملات کو دیکھو اور سمجھو گی اس کے بعد شہزادے کی مدد کر سکو گی۔

بابا جی! مجھے ماضی میں لانے والے یہ کون لوگ ہیں اور میں واپس اپنی دنیا میں کیسے جاؤں گی—؟

انہوں نے فرمایا، جو بھی ہیں، نیک لوگ ہیں۔تم نے ماضی میں صدیوں کی مسافت طے کی ہے۔ یہ انتظام تمہاری حفاظت کے لئے ہے۔ یہاں تمہارا قیام عام لوگوں کی طرح ہوگا۔اس وقت اتنا جان لینا کافی ہے۔ آگے بڑے امتحانات درپیش ہیں۔

اور ہاں! یہاں تم بجرولال سے محفوظ رہوگی۔اس کی رسی ابھی دراز ہے۔ وہ تمہارے ساتھ تمہارے خاندان کے لئے بھی شدید مسائل پیدا کرنے والا تھا۔وہ سمجھتا ہے کہ تم زندگی اور موت کی درمیانی حالت میں ہو اور اسے نقصان نہیں پہنچاسکتیں۔

بابا جی نے ذہن میں اٹھنے والے کئی سوالات کے جوابات دے دیئے تھے مگر ذہن پر دھند باقی تھی۔لہٰذا ہمت کر کے گویا ہوئی، بابا جی! یہ کون سی جگہ ہے، کس کا گھر ہے اور میں کس صدی میں ہوں—؟

بابا جی نے مسکراتے ہوئے اطلاع دی کہ یہ مہاتما گوتم بدھ کا علاقہ ہے۔

حیرت میرے چہرے سے عیاں تھی۔اوہ تو یہ لمبینی نیپال کا علاقہ ہے جس کے جنوب میں ہندوستان اور شمال میں کوہ ہمالیہ کا طویل سلسلہ ہے۔

بابا جی نے کہا، ہاں اور تم قدیم دور کی سلطنت کشان اور ہمالیہ کے باسی تبتی قبائل کے درمیان سرحدی علاقے میں ہو۔ یہ صدی عیسوی کا ابتدائی دور ہے۔

بابا جی نے بات ختم کی۔

مکان کے بیرونی دروازے میں چرچراہٹ ہوئی۔

چونک کر مڑی تو ادھ کھلا دروازہ بند ہو چکا تھا۔

بابا جی کی طرف متوجہ ہوئی تو نشست خالی تھی۔

وجود بھاری محسوس ہوا۔تھکاوٹ طاری ہونے لگی۔

پھر سر میں ٹیسیں اٹھیں جیسے گہری چوٹ لگی ہو۔

پتھر، چونے اور لکڑی سے بنا یہ جھونپڑی نما مکان اندر سے کشادہ اور خوب صورت ہونے کے ساتھ مضبوط تھا۔

تھکن کے باوجود ذہن تیزی سے چل رہا تھا۔ قدیم سنسکرت کے حرف تہجی الفاظ اور جملے وغیرہ ذہن میں دور کر رہے تھے جو حال ہی میں کشان کے شہزادے کی گفتگو سمجھنے کے لئے یاد کئے تھے۔

ذہن ماضی بعید سے تعلق رکھنے والی اس سلطنت کے مذہبی اور ثقافتی خدوخال کی جانچ میں مشغول تھا کہ مکان کے پچھلے حصے سے گائے کے ڈکرانے کی آواز تخیل کی بھول بھلیوں سے باہر لے آئی۔خوف محسوس ہوا کہ گائے کی آواز یہاں کہاں۔

باہر آئی گہرا اندھیرا تھا۔ پہاڑی پر بے ہنگم شور تھا۔

گویا مکان کی بناوٹ ساؤنڈ پروف تھی۔ پچھلے حصے کی طرف گھاس دار زمین پر چپٹے اور چکنے پتھر دبا کر خوب صورت راستہ بنایا گیا تھا۔ تیزی سے اس طرف پہنچی تو چھوٹے چھوٹے قطعوں میں مختلف قسم کی سبزیاں اور اناج کاشت کئے گئے تھے۔

دوسری طرف قدآدم بڑے بڑے بنکر نما کمرے تھے۔جن میں ایک کمرا گائے اور بھینس کے لئے مختص تھا۔دوسرے کمرے میں بکریاں اور تیسرے میں بطخیں اور مرغیاں تھیں۔

جائزہ لیتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی کہ بنکروں کے پیچھے اونچی چٹان سے پانی گرنے کی آواز سنائی دی۔غور کرنے پر پتہ چلا کہ چٹان کے اوپری حصے سے پانی آبشار کی صورت میں چٹان کے دوسری جانب سے نیچے گر رہا ہے۔وہیں سے پکی نالیوں کے ذریعے پانی زرعی قطعوں اور بنکروں کے درمیان بڑے تالاب میں پہنچانے کا نظام تھا۔تالاب بھرنے کے بعد اس کی نکاسی ایک اور بڑی نالی کے ذریعے کی گئی تھی جو کافی آگے تک جاتی ہوئی دکھائی دی۔

عام حالات ہوتے تو یہ جگہ جنت تھی مگر میں اس خوب صورت مقام پر اکیلی تھی۔ پہاڑوں کی خاموشی اور خاموشی میں اٹھنے والے شور سے ہیبت طاری تھی۔وسیع و عریض رقبے پر کھیت تھے مگر ان سب کا خیال رکھنے والا کوئی نظر نہیں آیا۔

مکان سے باہر آتے ہوئے مجھے دروازے کے قریب ڈنڈا پڑا ہوا دکھائی دیا تھا جس پر نقش و نگار منقش اور نگینے جڑے ہوئے تھے۔میں نے حفاظت کے پیش نظر اٹھالیا تھا۔محل وقوع کا جائزہ لے رہی تھی کہ ڈنڈے میں کرنٹ محسوس ہوا۔پھینکنے کے بجائے غیر ارادی طور پر ڈنڈے پر گرفت مضبوط ہوگئی۔

باڑھ کے دوسری جانب دور سے دو دیہاتی خواتین سر پر کچھ سامان اٹھائے اس طرف آرہی تھیں۔میں تیزی سے مکان کی جانب لپکی اور دروازہ بند کر کے پتھروں سے بنی ہوئی نشست پر بیٹھ گئی۔سانس پھولا ہوا تھا۔نہ جانے کون لوگ تھے۔

تھوڑی دیر میں دروازے پر دستک ہوئی۔

پھر سریلی نسوانی آواز سنائی دی۔وہ سنسکرت میں کہہ رہی تھی۔''اگا چھت کا کسا جنیاتری مایا وی'' (ماں مایا وی ہم اندر آسکتے ہیں)

ماں کے الفاظ سن کر عجیب لگا۔زیادہ حیرت مجھے اس وقت ہوئی جب میں نے انہیں سنسکرت میں ہی جواب دیا۔''آما،اگا چھت'' (ہاں آجاؤ)۔

دونوں اندر آئیں۔

میں نے پوچھا،''کتارالوکا'' (کون ہو تم دونوں)

ان میں سے بڑی خاتون نے کہا،''سیویکا کرما سار تھی تو بھگن یو (ہم بہنیں آپ کی خدمت گار ہیں)۔

میں نے ان کے نام پوچھے۔

بڑی اور چھوٹی باری باری بولیں،میرا نام آیوشی ہے اور میرا نام بھرگوی ہے۔

ان سے پوچھا،تم یہاں کیا کام کرتی ہو؟

بتایا کہ وہ یہاں کے سارے کام کرتی ہیں۔

کافی دیر دونوں بہنوں سے بات چیت ہوئی۔

ذہن نے نئی جگہ کو ابھی قبول نہیں کیا تھا۔تھوڑی دیر

میں سن ہوجاتا۔ پھر کوئی شے سامنے آتی اور میں گہری سوچ میں گم ہوجاتی۔

ان خواتین کو بتایا گیا تھا کہ مہاتما گوتم بدھ کی مہمان نئے دور کے پرش پور* کے نزدیک سے آرہی ہیں۔ یہ مقام بدھا صاحب کا علاقہ تھا جہاں کبھی مہاتما کئی کئی دن مراقب رہا کرتے تھے۔ اب یہ مقام ''ہین یانی لاماؤں'' کے زیر تصرف مقدس مقام کا درجہ حاصل کرچکا تھا۔ انہیں کسی حد تک علم تھا کہ میں پشاور کے نزدیک کسی علاقے سے آئی ہوں مگر میرے صدیوں کی مسافت طے کرنے سے وہ ناواقف تھیں۔

یہاں قبائل میں سب سے طاقت ور قبیلہ کوئی شوان تھا جو آگے چل کر کشان کہلایا۔ جنگوں میں فتوحات کے نتیجے میں کشان سلطنت پھیلتی گئی اور شمالی ہندوستان میں گجرات، مہاراشٹرا، اوڑیسہ، بہار، اتر پردیش، اترکھنڈ، ہماچل پردیش سے لے کر جموں کشمیر، پاکستان، تاجکستان، ایران میں بلخ، افغانستان میں قندھار، چین میں ترفان تک کشان سلطنت کا جھنڈا لہرانے لگا۔

برصغیر کی تاریخ میں یہ طاقت ور سلطنت تھی جس کے دو دارالحکومت تھے۔ ایک پرش پور (پشاور) اور دوسرا پتالیپترہ*۔ کشانوں نے ہی سب سے پہلے تانبے اور سونے کے سکوں کا اجرا کیا۔

یہاں زیادہ بولی جانے والی زبانوں میں پالی، سنسکرت، ایرانی اور یونانی زبانیں شامل تھیں۔ کئی مذاہب کے لوگ ایک ساتھ رہتے تھے۔ بدھا صاحب کی تعلیمات کا غلبہ تھا، ان کا انتقال ہوئے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا اس لئے اس وقت ان کی تعلیمات تحریف سے کافی حد تک محفوظ تھیں۔

راجا کنشکا کا دور آیا تو بدھا صاحب کی تعلیمات ''ہین یان'' اور ''مہایان'' دو حصوں میں تقسیم ہوگئیں۔ بتوں کو تراشنے اور پوجا کرنے کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ سنگ تراشی نے فن کا درجہ حاصل کرلیا اور یہ بھی دو حصوں میں بٹ گئی کیوں کہ سنگ تراشی کے دو بڑے مراکز تھے۔

ایک گندھارا اور دوسرا ماتھورا (متھرا)۔

اہم بات یہ ہے کہ بدھا صاحب کی تعلیمات میں کہیں بھی مورتی یا بت بنا کر پوجنے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہین یان میں بتوں کی پوجا نہیں کی جاتی تھی البتہ مہایان کے ماننے والے بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ یہ ساری باتیں تعلیم کے دوران کتابوں کے ذریعے مجھ تک پہنچی تھیں۔

اسے قسمت کا لکھا کہا جائے یا تربیت کا کوئی اسلوب کہ میں بہ نفس نفیس اس مقام اور وقت میں موجود تھی جس کا ذکر کتابوں میں پڑھا تھا۔ سب کچھ آنکھوں کے سامنے تھا۔ (قسط: ۶)

---

* پرش پور (پشاور) * پتالیپترہ (پٹنہ)

سرورق کی تشریح

سرورق کو چھ روز غور سے دیکھا— جو نکات ذہن پر وارد ہوئے انہیں لکھا۔ مسلسل چھ روز دیکھنے سے میں ساتویں روز دیکھنے کی سطحی طرز سے کسی حد تک باہر آیا۔ ہر روز نئی بات سامنے آنے پر ذہن سوال کرتا تھا کہ کل یہ نظر کیوں نہیں آیا؟ آج جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں کیا اس میں بھی کوئی بات ایسی ہے جو میں نہیں دیکھ رہا— ؟ ساتویں روز تصویر بنی کہ مکانیت کا پھیلاؤ الوژن ہے۔ یہاں جو کچھ ہے وہ غیب سے آنے والی لہر کا پھیلاؤ ہے۔ علم اس مرحلے میں بھی ہے جب لہر ذہن میں داخل ہوتی ہے لیکن شعور کی محدودیت کی وجہ سے کھلتی نہیں اور علم اس مرحلے میں بھی ہے جب لہر دائرہ در دائرہ نزول کر کے میرے شعور کی سطح تک آتی ہے اور میں شے دیکھتا ہوں۔ لہر کے پھیلنے کو مختلف مراحل کا نام دینا الوژن ہے کیوں کہ یہ ایک ہی لہر ہے جو خود کو اس حد تک کھول رہی ہے کہ میں اسے دیکھ لوں۔ اس عمل میں اتنی ڈائی مینشن بن جاتی ہیں کہ ذہن پھر لہر کو نہیں لہر سے بننے والی تصویروں کو دیکھتا ہے۔

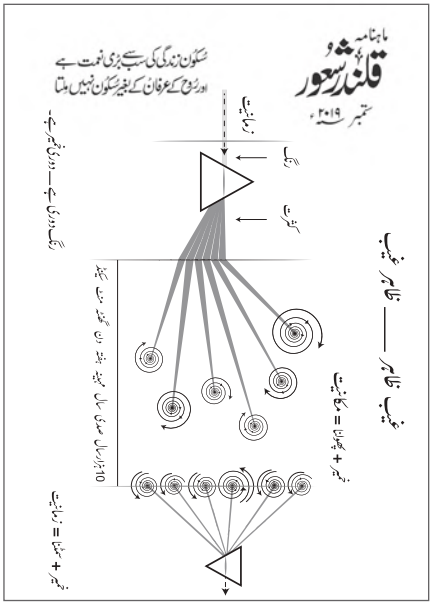

مثال: چپاتی گندم کے علاوہ کچھ نہیں مگر چپاتی کھاتے وقت گندم کا خیال نہیں آتا۔ سبب یہ ہے کہ ہم شکلوں کو دیکھنے کے عادی ہیں۔ سوچتے نہیں ہیں کہ شکل کیا ہے؟ لہر میں پھیلاؤ کا سبب خمیر ہے اور خمیر دوری ہے۔ یہ دوری کس سے ہے— ؟ شے نقطہ سے شروع ہو رہی ہے لیکن نقطہ سے دور ہونے کے باوجود وہ نقطہ میں ہی آگے بڑھ رہی ہے۔ پھر دوری کہاں ہے— ؟ مختلف اشکال میں الجھنے کی وجہ سے ہم دوری کے الوژن میں مبتلا ہیں جب کہ دائرہ چھوٹا ہو یا بڑا— نقطہ ہے۔

دوری کا الوژن پرزم کی تخلیق ہے۔ پرزم لہر میں رنگ کی مقداروں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیتا ہے اور ان

مقداروں کے درمیان ربط کو ظاہر نہیں کرتا۔ الگ ہونے کے باوجود ہر رنگ اور مقدار ایک ہے۔ کیوں کہ یہ سارے رنگ واپس پرزم میں ایک ہوجاتے ہیں۔ سرورق میں بتایا گیا ہے کہ شے ایک ہے لیکن دیکھئے — اس ایک شے سے الوژن کیسے تخلیق ہوتا ہے۔ (محمد حارث۔لندن)

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ کتاب ''لوح وقلم'' میں فرماتے ہیں،

''جب نقطۂ وحدانی کی شعاعیں عالم مثال کی طرف حرکت میں آتی ہیں تو زمان (time) وقوع میں آتا ہے لیکن یہ حرکت اکہری ہوتی ہے۔ اس میں ایک تسلسل پایا جاتا ہے۔ اس حرکت کی طوالت ازل سے ابد تک ہے۔''

لہر جب پرزم سے ٹکراتی ہے تو رنگ بنتے ہیں، اس مقام پر رنگ کا بننا مادی یا ناسوتی دنیا کی تخلیق ہے جو ہمیں مادی آنکھ سے نظر آتی ہے۔ مادی دنیا میں حرکت کلاک وائز ہے، کلاک وائز سے مراد پھیلاؤ ہے۔ اس کی رفتار انتہائی سطح تک کم ہوجاتی ہے جس سے زمان و مکان کی پابندی بھی انتہائی درجے تک کم ہوجاتی ہے۔ دنیاوی پیمائش کے حساب سے اس پابندی کی انتہا 10 ہزار سال ہے۔ جیسے ہی رنگ پلٹتے (الٹے پرزم) ہیں تو پھر سے یک رنگی اختیار کر لیتے ہیں یعنی شعوری گرفت ٹوٹ جاتی ہے۔ یہاں خمیر سمٹ جاتا ہے اور ظاہر غیب میں پلٹ جاتا ہے۔ اس مقام پر حرکت اینٹی کلاک وائز ہے۔

باباجان عظیمی صاحب کی بات پر غور کریں تو ہر مرحلہ ایک عالم، ایک دنیا ہے جو نقطۂ وحدانی سے شروع ہوتی ہے اور اسی میں پلٹ جاتی ہے۔ سمجھنے کے لئے ہمیں اپنے اندر لاشعوری تحریکات کو سمجھنا ہوگا۔

(مرسلین احمد۔اسلام آباد)

اطلاع ورائے بے رنگ سے آتی ہے۔ بے رنگی (خیال) یک رنگ (تصور) اور کل رنگ (احساس اور مظاہرے) میں تقسیم ہورہی ہے۔ رنگ دوری ہے، دوری خمیر ہے، خمیر تغیر ہے اور تغیر ہماری دنیا ہے۔ یہاں ہر شے ایک رخ میں ہر لحہ تغیر پذیر ہے اور دوسری طرف لاتغیر سے جڑی ہوئی ہے۔ مثلاً جس وجود کو زید کا نام دیا گیا ہے وہ پہلے دن سے وہی ہے، وجود پر موجود لباس ہر لحہ تغیر سے گزرتا ہے اور تغیر اپنا دائرہ پورا کر کے اس زون میں لوٹ جاتا ہے جس میں تغیر نہیں ہے۔ یہاں prism لینس کی طرح ہے جو شروع میں diversion کا کام کر کے رنگوں کو تقسیم کرتا ہے اور دوسری طرف convergence کا کام کر کے نقطہ میں لپیٹ دیتا ہے۔ (محمد سمیع۔کراچی)

ذہن منشور کی طرح ہے جس پر اطلاعات وارد ہوتی ہیں۔ اطلاعات میں سورج کا نظام، چاند کا گھٹنا بڑھنا، زمین کی

گردش، دس ہزار سال کے لمحات کا ریکارڈ پھر زمین کا خشکی سے پانی تک کا سفر سب موجود ہے۔

لاشعور سے آنے والی اطلاع سرنگ کی طرح دائرہ در دائرہ پھیلتی (کلاک وائز) ہے۔ اینٹی کلاک وائز سے سمجھ میں آتا ہے کہ جس طرح کائنات پھیل رہی ہے اسی طرح لپٹ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں،

''پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے تخلیق کیا۔ تخلیق کیا انسان کو خون کی پھٹکی سے۔
پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم سے علم سکھایا۔'' (العلق:۱-۴)

قلم — علامت ہے جس سے مراد نقطہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھا رہے ہیں کہ کائنات کا پھیلاؤ نقطہ سے ہوا ہے۔

(ندا حامد۔ متحدہ عرب امارات)

حرکت زمانیت ہے جو اسکرین پر رنگوں میں (عالم ناسوت) تقسیم ہوتی ہے۔ رنگ تقسیم ہونے کے باوجود دائرے میں حرکت کرتے ہیں۔ حرکت دائرے میں نہ ہو تو شے معدوم ہو جائے گی۔ دائرہ زمانیت ہے۔ ذہن زمانیت کو وقت کے چھوٹے سے چھوٹے یونٹ میں تقسیم کر کے سمجھتا ہے۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ غیب سے ظاہر اور ظاہر سے غیب میں چلا جاتا ہے۔ زندگی زمانیت سے آتی ہے۔ تیر کا نشان ظاہر کرتا ہے کہ نور مظاہرہ کر کے صعود کر جاتا ہے۔

سرورق پر غیب ظاہر کی مساوات سے میں یہ سمجھا ہوں کہ ہر شے دو رخوں میں تقسیم ہے۔ پہلے علِم شے ہے پھر اس کا مظاہرہ ہے۔ بائیں طرف سیدھا مثلث پھیلاؤ کو ظاہر کرتا ہے اور دائیں طرف الٹا مثلث منفیت یا شے کا سمٹنا ہے جہاں ساری تخلیقات دوبارہ وہاں چلی جاتی ہیں جہاں سے آئی ہیں۔ (ڈاکٹر زبیر احمد۔ کراچی)

کائنات پہلے علم ہے پھر شے ہے۔ علِم شے — علم الاسما ہے۔ اللہ کے علوم کو دوام ہے۔ شے علم کے بعد کی مظاہراتی شکل ہے اس لئے اس کو فنا ہے۔ تخلیق سے عیاں ہے کہ شے ہر آن گھٹتی اور بڑھتی ہے۔ گھٹنے اور بڑھنے کا عمل فنا ہے۔ تصرف یہ ہے کہ کسی چیز کے خدوخال میں تبدیلی واقع ہو جائے۔ تصرف علِم شے میں ہوتا ہے شے میں نہیں ہوتا۔

شے میں نقش و نگار مکانیت اور حرکت زمانیت ہے۔ حرکت میں دو رخ کام کرتے ہیں۔ ایک رخ طول اور دوسرا طوالت کے ساتھ رفتار ہے۔ طوالت اور رفتار لازم و ملزوم ہیں۔ حرکت کا طول مکانیت اور رفتار زمانیت ہے۔ کائناتی فارمولوں کو سمجھنے کے لئے جان لینا ضروری ہے کہ جب کائنات میں خدوخال ظاہر ہوتے ہیں تو حرکت پردے میں چلی جاتی ہے اور حرکت کا مظاہرہ ظاہر ہوتا ہے۔ (پروفیسر محمد طاہر۔ چنیوٹ)

ادارہ

اولی الالباب بچے

اللہ تعالیٰ چھپا ہوا خزانہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ مخلوق مجھے پہچانے تو محبت سے مخلوق کو تخلیق کیا اور کائنات بنائی۔ کائنات اور جو کچھ اس میں ہے وہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے واقف ہونے کی نشانیاں ہیں۔ جو چھوٹے اور بڑے بچے غور و فکر کرتے ہیں وہ اولی الالباب (عقل و دانش والے) کہلاتے ہیں۔ بچو! ذہن استعمال کریں، سوچیں اور جو جواب ذہن میں آئے، ہمیں بھیج دیں۔ ہمارا پتہ ہے: بچوں کا قلندر شعور، عظیمی محلّہ، سرجانی ٹاؤن، کراچی۔

پیارے بچو، السلام علیکم۔ اس مہینے کا سوال یہ ہے۔

بیج بونے کے بعد پانی دیتے ہیں تو مٹی پانی جذب کر کے بیج کو پانی فراہم کرتی ہے۔ بیج مخلوق ہے۔ پانی پینے سے بیج پھولتا ہے اور پھولنے کے بعد کھل جاتا ہے۔ بیج میں سے نرم و ملائم ننھا تنا زمین کو چیر کر سطح پر آتا ہے۔ اس میں سے دو ہرے پتّے نکلتے ہیں۔ روزانہ پانی دینے سے نشو و نما ہوتی ہے اور دو سے تین اور تین سے چھ پتّے بن جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ پودا جوان ہو کر تنا ور درخت بن جاتا ہے اور درخت پر لگنے والے پھل ہماری خوراک بنتے ہیں جنہیں ہم بہت شوق سے کھاتے ہیں۔

بچو! پانی نہ ہوتا تو کیا بیج میں سے پودا نکلتا؟ پودا درخت بنتا؟ درخت میں پھل لگتے؟ اور کیا پھل ہماری خوراک بنتے ــــ؟

جن علاقوں میں بارش نہیں ہوتی، خشک سالی ہوتی ہے، وہاں قحط پڑ جاتا ہے۔ مخلوق کے جسم سوکھ جاتے ہیں۔ پانی سے ساری چیزیں پھلتی پھولتی ہیں۔

غور کریں اور بتائیں کہ کیا کوئی شے ایسی ہے جس میں پانی موجود نہیں؟ غور کرنے سے جواب آپ کے ذہن میں سورج کی طرح روشن ہو جائے گا، انشاء اللہ۔

****

★ جواب بھیجنے کی آخری تاریخ 20 دسمبر ہے۔

اکتوبر 2019ء میں بچوں سے سوال کیا گیا تھا کہ ہم چیزوں کو دیکھے بغیر آواز سے کیسے پہچان لیتے ہیں؟ بچوں نے بڑی تعداد میں خطوط لکھے۔ منتخب جواب شائع کئے جا رہے ہیں۔

◇ طلحٰہ ناصر، جماعت ششم (حیدرآباد): ہر آواز سن کر پتہ نہیں چلتا کہ آواز کس کی ہے۔ مثلاً میں کچھ سوچتا ہوں تو میرے اندر ایک آواز مدد کرتی ہے کہ یہ کرنا ہے یہ نہیں کرنا۔ اماں کہتی ہیں وہ آواز ضمیر کی ہے۔ ضمیر کون ہے؟ امی کا نام لیتا ہوں تو ذہن میں امی کی تصویر بنتی ہے۔ جب ضمیر کہتا ہوں یا اس کی آواز سنتا ہوں تو اس کی تصویر ذہن میں کیوں نہیں بنتی؟

◇ شگفتہ زبیر (کراچی): ہر چیز کی مخصوص آواز ہے جسے سن کر ذہن میں تصویر بنتی ہے اور ہم پہچان لیتے ہیں۔

◇ نورالعین (اٹک): سوال پر غور کیا۔ ماما بابا سے اس بارے میں پوچھا۔ جتنی آوازیں معلوم ہیں، بچپن سے ان کے متعلق بار بار بتایا جاتا ہے۔ اس لئے جب آواز سنتے ہیں تو دیکھے بغیر جان لیتے ہیں کہ آواز کس کی ہے۔ بابا کہتے ہیں کہ اسی طرح شعور میں بار بار یہ بات منتقل کی جائے کہ زندگی کا مقصد اللہ سے واقف ہونا ہے تو ہماری دوستی اللہ تعالیٰ سے ہو جائے گی۔

◇ فراز اصفی۔ جماعت ششم (لاہور): جب آواز سے ذہن میں تصویر بنتی ہے اور ہم تصویر ذہن میں دیکھتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے آنکھیں کیوں دی ہیں؟

◇ بلال احمد، جماعت نہم (لاہور): میں پیدا ہوا تو آوازوں سے واقف نہیں تھا۔ بازار میں چیزوں کو بار بار دیکھنے سے ان کی شکل اور آواز ذہن میں محفوظ ہوگئی۔ ہمارے اندر ایسا ریکارڈنگ سسٹم ہے جو سنی ہوئی آواز کو محفوظ کر لیتا ہے، اور جب وہی آواز دوبارہ سنیں تو فوراً ریکارڈ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ آواز فلانی چیز کی ہے۔ اس طرح جو چیز پہلے نہیں دیکھی ہو اس کی آواز ہم نہیں پہچانتے۔

◇ شائستہ (کراچی): تار میں بجلی کی آواز ہوتی ہے ــــ زو زو زو۔ لکڑی اور پلاسٹک کی آواز الگ الگ ہوتی ہے اس لئے ہمیں پتہ چل جاتا ہے۔

◇ نازیہ جبین (ملتان): ہم جن آوازوں سے مانوس ہیں صرف انہیں پہچانتے ہیں۔ اماں کہتی ہیں کہ ایک آواز کُن ہے جو گونج رہی ہے مگر اس سے صرف اللہ کے دوست واقف ہیں۔

****

دھوپ گھڑی

پہلے زمانے میں ہوائی جہاز اور ریل گاڑیاں نہیں تھیں ۔اس دور کے لوگ سفر کے لئے اونٹ، گھوڑے، گدھے اور خچر استعمال کرتے تھے ۔ جو لوگ سواری کے لئے جانور نہیں خرید سکتے، وہ پیدل سفر کرتے تھے۔

ایک نیک دل تاجر کاروبار کے سلسلے میں کسی گاؤں گیا، وہاں قیام کے دوران اس کا گھوڑا بیمار ہوا اور مر گیا ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔ بازار نہیں تھا جہاں سے سواری کا جانور خریدتا ۔اور جانور خرید لیتا تو راستے کے لئے خرچہ نہیں بچتا ۔فیصلہ کیا کہ پیدل چلتا ہوں، راستے میں کسی سرائے میں قیام کرلوں گا۔

جنگل سے گزر ہوا ۔ سفر کی تکان کی وجہ سے طبیعت خراب ہوگئی ۔ بخار تیز ہونے سے چلنے کی ہمت نہیں رہی ۔جنگل میں ٹھہرنے کا فیصلہ کیا۔

جنگل میں بندروں کی بڑی بستی آباد تھی ۔ بندروں نے آدمی کو تکلیف میں دیکھا، انہیں ترس آیا اور کہا، یہ ہم جیسا ہے بس ہمارے جسم پر بال زیادہ ہیں ۔ اس کی مدد کرنی چاہئے ۔

بندروں کی نانی نے ناریل کے پانی میں جنگلی جڑی بوٹیوں کی دوا بنائی اور مریض کو پلائی ۔ دوا پی کر تاجر کو نیند آئی اور وہ سو گیا ۔ دو تین دن بعد طبیعت سنبھلی اور پہلے کی طرح چاق و چوبند ہوگیا۔

تاجر نے سب کا شکریہ ادا کیا اور وہاں سے جانے لگا تو بندر راضی نہیں ہوئے ۔ کہا ، آپ مہمان ہیں ۔ چند دن مہمان نوازی کا موقع دیں ۔ وقت اچھا گزرے گا۔

تاجر سوچ میں پڑ گیا کہ کیا کرے ۔گھر والے غیر حاضری پر پریشان ہوں گے اور بندروں کی مہربانی کو نظر انداز کیسے کرے۔

اس نے کہا، دوستو ! انشاء اللہ میں جلد تم لوگوں سے ملوں گا ۔فی الحال مجھے جانے دو ۔ بچے میری راہ دیکھتے ہوں گے۔

بندروں نے ایک نہ سنی اور کہا، ہم میں اور آپ میں فرق تہذیب کا ہے ورنہ ساخت ایک جیسی ہے ۔ہم آپ سے یہ فن سیکھ کر اس فرق کو ختم کرنا چاہتے ہیں ۔آپ ہمیں تہذیب سکھا دیں، ہمارے

بچوں کی قسمت بدل جائے گی۔

نظر دوڑائی تو طرح طرح کے بندر اس کے گرد گھیرا ڈالے التجائیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ منع نہیں کر سکا اور راضی ہو گیا۔

بندروں کو تہذیب سے آراستہ کرنے کی ابتدا لکڑی سے پنسل تراشنے سے کی۔ بندروں نے یہ فن جلد سیکھ لیا۔ دو مہینے انہیں ایک دوسرے سے بات کرنے اور کھانا کھانے کے آداب سکھانے میں لگے۔ آدمیوں کی طرح دو ٹانگ پر چلنا اور مٹی گارے سے گھر بنانا سکھایا۔

بندر بہت خوش تھے۔ جب وہ مٹی سے بنے مکانات میں اندر جاتے تو گھبرا جاتے۔ انہیں گھٹن ہوتی۔ درختوں پر چڑھ کر ایک ڈالی سے دوسری ڈالی پر جھولتے تو چہرے خوشی سے شاداب ہو جاتے۔

بندروں نے مہمان سے کہا، استاد! آپ لوگوں کی سب عادتیں اچھی ہیں۔ آپ میں سے کچھ لوگ غور و فکر کو اپنا کر آدمی بن گئے لیکن سمجھ سے باہر ہے کہ چند فٹ پر پھیلے ہوئے گھر میں کیسے رہتے ہیں؟ آپ کے گھر اور مرغی کے ڈربے میں کوئی تو فرق ہونا چاہئے۔ ہمیں تو بڑی گھٹن ہوتی ہے۔ فیصلہ کیا ہے کہ مٹی کے گھر نہیں بنائیں گے۔ اللہ نے ہمیں درختوں پر رہنا سکھایا ہے، ہم خوش ہیں۔ اس کے علاوہ تہذیب سکھا دو۔

سیکھنے سکھانے میں دو مہینے گزر گئے۔ مہمان تاجر نے بندروں سے رخصت ہونے کی اجازت لینا چاہی۔ بندر نہیں مانے۔ گھیر کر بیٹھ گئے اور کہا، روٹی پکانی تو سکھائی نہیں ــــ؟

تاجر کو روٹی پکانی نہیں آتی تھی۔ اس نے کہا، روٹی میری بیگم کو پکانی آتی ہے۔ اگلی بار بیگم کو ساتھ لاؤں گا۔

بندر راضی ہو گئے اور کہا، جناب معلوم نہیں اس راستے سے پھر کب گزریں۔ آپ ہمارے استاد ہیں۔ جاتے جاتے کوئی نشانی چھوڑ جائیں کہ اس کو دیکھ کر دل کو تسلی رہے۔

تاجر کے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جو انہیں بطور نشانی دیتا وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اتنے میں ایک بندر کی نظر کلائی پر بندھی گھڑی پر پڑی۔

پوچھا یہ کیا ہے؟

تاجر نے بتایا، گھڑی ہے۔

گھڑی کیا ہوتی ہے؟

تاجر نے کہا، یہ وقت کے بارے میں بتاتی ہے کہ اب صبح ہے، اب شام ہے، اب رات ہے۔

بندر حیران ہوئے اور کہا ،اچھا ایسا کریں کہ ہمیں گھڑی دے دیں ۔تاجر پریشان ہوگیا کیوں کہ گھڑی راستے میں اس کے کام آتی۔

ان سے کہا ،تم لوگ کیا کرو گے اس کا ۔تمہیں وقت دیکھنا نہیں آتا۔

بندر چالاک تھے۔بولے،وقت دیکھنا سکھا دیں، پھر آپ چلے جائیں۔

تاجر پریشان ہوگیا ۔ وہاں سے نکلنے کی جتنی تدبیریں کرتا، بندر کسی نہ کسی بات میں الجھا دیتے۔ تاجر کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہاں سے کیسے جاؤں ۔کیوں کہ جنگل میں جگہ جگہ بندروں کا بسیرا تھا۔ بندر ضد کرنے لگے کہ استاد، بس یہ آخری چیز سکھا دیں پھر آپ چلے جائیں۔

تاجر بولا ، گھڑی نہیں دے سکتا لیکن گھڑی بنانا سکھا سکتا ہوں۔وہ خوش ہوگئے اور تالیاں بجائیں۔

تاجر انہیں کھلے میدان میں لایا۔ وہاں بڑا دائرہ بنا کر درمیان میں لمبی لکڑی لگا دی۔اور اسے دھوپ گھڑی کا نام دیا۔

اگلے روز اس نے بتایا کہ کس طرح لمبی لکڑی سے بننے والے سائے سے وقت معلوم کیا جاتا ہے ۔ جیسے جیسے سورج غروب ہوتا ہے، سایہ بننے کی سمت

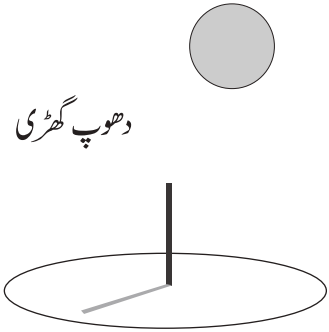

بدل جاتی ہے اور گھڑی کی سوئی کی طرح دھوپ گھڑی میں سایہ جگہ بدل کر وقت بتاتا ہے۔

پھر تاجر نے ان سے کہا، دیکھو! اسے خراب نہیں ہونے دینا۔اس کے گرد بیٹھ جاؤ کہ یہ کس طرح کام کر رہی ہے۔میں ذرا آرام کرلوں۔

بندر عجیب وغریب گھڑی دیکھنے میں گم ہوگئے ۔ موقع ملتے ہی تاجر وہاں سے بھاگ گیا۔

بندر واپس آئے تو مہمان تاجر کو نا پا کر افسردہ ہوئے اور بولے، استاد نے کہا ہے کہ گھڑی کی حفاظت کرنی ہے ۔ دھوپ لگنے سے وہ خراب ہو جائے گی۔ بندروں نے جھاڑیاں لا کر دھوپ گھڑی کو ڈھک دیا تاکہ استاد کی یادگار سلامت رہے ۔ ان کے خیال میں اب گھڑی بالکل محفوظ تھی۔

بچو! بتایئے کیا دھوپ گھڑی محفوظ ہوگئی؟

چالیس چور ـــــ چالیس راتیں

بچو! یہ کہانی پرانے وقتوں کی ہے اور ایران سے سفر کرتے ہوئے پاکستان پہنچی ہے۔ ہر ایرانی بچے کو بچپن میں یہ کہانی سنائی جاتی ہے۔

ایران کے شہر اصفہان میں عزیز نامی شخص رہتا تھا۔ بیوی کا نام جمیلہ تھا۔ وہ نام کی طرح حسین و جمیل تھی۔ جمیلہ کی خواہش تھی کہ اس کے پاس اتنا پیسا ہو کہ ٹھاٹ باٹ سے زندگی گزارے لیکن عزیز کھدائی کا کام کرتا تھا۔ بیوی کی خواہشات تو پوری نہ ہوتیں مگر گھر کی ضرورتیں پوری ہو جاتی تھیں۔ عزت سے گزر بسر ہونے پر اللہ کا شکر ادا کرنے کے بجائے وہ شوہر کو باتیں سناتی تھی کہ تم کسی کام کے نہیں۔ تمہارے ساتھ ٹھاٹ باٹ کے بجائے مجھے ٹاٹ کے کپڑوں میں رہنا پڑتا ہے۔ عزیز عقل مند تھا۔ بحث میں الجھنے کے بجائے خاموشی اختیار کرتا۔

ایک روز جمیلہ گھر کے قریب خواتین کے حمام میں گئی۔ اس زمانے میں غسل کے لئے حمام بنائے جاتے تھے جہاں ٹھنڈا گرم پانی میسر ہوتا تھا۔ حمام میں داخل ہو رہی تھی کہ دروازے پر کھڑی چوکیدار خاتون نے کہا، تم ابھی اندر داخل نہیں ہو سکتیں۔ حمام اس وقت بادشاہ کے نجومی کی بیوی کے لئے مختص ہے۔ تھوڑی دیر بعد آنا۔

جمیلہ ناراض ہوئی اور کہا کہ ایک شخص کی وجہ سے پورے حمام کو بند کرنا صرف اس لئے کہ اس کا شوہر بادشاہ کا نجومی ہے کہاں کا انصاف ہے؟

چوکیدارنی نے کہا، اس نے حمام کے پیسے دیئے ہیں۔ تم بھی اتنے پیسے دے دو تو تمہارے لئے پورا حمام بند کروا دوں۔ جاؤ تھوڑی دیر بعد آنا۔

جمیلہ بڑبڑاتی ہوئی گھر پہنچی کہ میرا شوہر بھی بادشاہ کے دربار میں ملازم ہوتا تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔

شام کو عزیز نے دن بھر کی جمع پونجی یعنی چند سکّے جمیلہ کو دیئے، اس نے لینے سے انکار کر دیئے کہ میں ان سکّوں کا کیا کروں، ڈھیر سارے پیسے چاہئیں۔

وہ بولا، بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ اتنا پیسا میں کہاں سے لے کر آؤں؟

تیز لہجے میں کہا، کل سے تم بازار میں بیٹھ کر لوگوں کو مستقبل کے بارے میں بتاؤ گے۔

عزیز کے ماتھے پر بل آ گئے۔ میں ــــ؟ لوگوں کو ان کے مستقبل کے بارے میں بتاؤں جب کہ خود میرا مستقبل کیا ہے میں نہیں جانتا!

جمیلہ ڈھٹائی سے بولی، لیکن میں تمہارا مستقبل جانتی ہوں اور وہ یہ ہے کہ کل سے تم بازار میں لوگوں کو قسمت کا حال بتاؤ گے۔ ایسا نہیں کیا تو میں اپنے ''میکے'' چلی جاؤں گی۔

عزیز نے سمجھاتے ہوئے کہا، دیکھو تمہارا مشورہ غلط ہے۔ اس کاروبار کی بنیاد جھوٹ پر ہے۔

جمیلہ بولی، جھوٹ سب بولتے ہیں۔ کوئی حال معلوم کرنے آئے تو پانسا پھینک کر آنکھیں بند کر لینا جو خیال ذہن میں آئے، اسے بتا دینا۔

عزیز نے اگلے روز بیوی کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے کدال اور پھاوڑا بیچ کر پانسا، لکڑی کا تختہ اور جبہ خریدا تاکہ بارعب اور عالم فاضل نظر آئے۔ جبہ پہن کر بازار گیا، وہاں تخت بچھایا اور سامنے پانسا رکھ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ قریب حمام میں سے وزیر خاص کی بیوی گھبرائی ہوئی نکلی اور اس کے پاس آ کر بولی، ''بھائی صاحب! میری مدد کرو۔ میں نے آج قیمتی انگوٹھی پہنی تھی وہ غائب ہوگئی ہے۔ پتہ لگاؤ انگوٹھی کہاں ہے؟

عزیز گھبرا گیا۔ نظر وزیر کی بیوی کی چادر پر پڑی۔ چادر پر دو تین جگہ سوراخ تھے جیسے وہ اڑتی ہوئی چنگاری کے پاس سے گزری ہو جس سے چادر میں سوراخ ہوگئے۔ توجہ چادر کی طرف مبذول کرتے ہوئے کہا، سوراخ۔

عورت نے سنا تو خوشی سے کہنے لگی، سوراخ! اور حمام کی جانب دوڑی۔ وہاں دیوار پر سامان رکھنے کے لئے بنائی گئی جالیوں میں انگوٹھی مل گئی۔

وہ خوشی خوشی عزیز کے پاس آئی اور انعام میں سونے کا سکّہ دیا۔

عزیز حیران تھا کہ یہ سب کیسے ہوا۔

جمیلہ نے سونے کا سکّہ دیکھا تو خوشی سے جھوم اٹھی اور کہنے لگی، تم خواہ مخواہ گھبرا رہے تھے۔

عزیز پریشان لہجے میں بولا، اللہ نے رحم کیا ورنہ وزیر کی بیوی کو پتہ چل جاتا کہ میں کچھ نہیں جانتا تو سزا ہوتی۔ میں کسی کو دھوکا نہیں دے سکتا۔

جمیلہ جھڑکتے ہوئے بولی، فضول باتیں نہیں کرو۔ مجھ سے محبت ہے تو کل دوبارہ جاؤ گے۔

اس رات محل میں چور آئے اور بڑی تعداد میں خزانہ چوری ہوگیا۔ شبہ تھا کہ محل کے ملازمین ملوث

ہیں ورنہ چوروں کا محل میں داخل ہونا اور ملازمین کا نہ دیکھنا کیسے ممکن ہے۔ شاہی نجومیوں نے اعتماد سے پانسے پھینکے، منتر پڑھے مگر بتانے میں ناکام رہے کہ خزانہ کہاں ہے اور چوری کس نے کی۔

بادشاہ آگ بگولا ہو گیا اور کہا سب کو زندان میں ڈال دو۔ بچو! زندان قید خانے کو کہتے ہیں۔

وزیر خاص آگے بڑھا اور کہا، خواتین کے حمام کے قریب بازار میں نیا عالم آیا ہے اس نے میری بیوی کی انگوٹھی کی درست نشان دہی کی تھی۔ حکم ہو تو حاضر کروں۔ اجازت ملتے ہی سپاہی عزیز کو لینے گئے تو وہ گھبرا گیا۔ محل میں لائے تو شاہی محل کی چکا چوند دیکھ کر وہ مرعوب ہوا اور پیشانی پر پانی کے قطرے جھلملانے لگے۔

بادشاہ بولا، کیا تم بتا سکتے ہو کہ چور کہاں ہیں؟

عزیز نے گہرا سانس لے کر اللہ سے دعا کی کہ مشکل سے نکلنے میں مدد کریں اور عہد کیا کہ آئندہ یہ کام نہیں کروں گا۔ اسی وقت کوئی خیال آیا اور اس نے کہا، چوروں کی تعداد چالیس ہے۔

بادشاہ نے کہا، بہت خوب! شاہی نجومی تو یہ بھی نہ بتا سکے۔ چالیس چور کون ہیں؟

عزیز گھبرا گیا۔ جناب عالی! پوری کوشش کروں گا لیکن جاننے میں وقت لگے گا۔

بادشاہ نے بے صبری سے پوچھا، کتنا وقت؟

چور چالیس ہیں، ان کا مقام معلوم کرنے کے لئے چالیس دن درکار ہیں۔

بادشاہ نے کہا، ٹھیک ہے۔ چالیس دن بعد نہ بتا سکے تو زندان کا دروازہ تمہارا منتظر ہے۔

عزیز پریشان گھر لوٹا اور بیوی کو خوب سنائیں۔ دیکھ لیا تم نے۔ دولت مند بننے کی خواہش مجھے جیل لے جائے گی — اب تم میکے جا سکتی ہو۔ تمہاری لالچ نے یہ دن دکھائے ہیں۔ دولت نہیں تھی لیکن سکون تو تھا۔ بیوی نے نظر انداز کرتے ہوئے کہا، ایک جگہ بیٹھے رہے تو ایسا ہی ہوگا۔ جیسے انگوٹھی کا پتہ لگایا ہے خزانے کا بھی پتہ لگاؤ۔

عزیز بولا، بے کار باتیں مت کرو۔ میں نجومی یا عالم نہیں۔ سارے شاہی نجومی اس وقت جیل میں ہیں۔ کیسے بتا سکتا ہوں کہ چور کہاں ہیں اور خزانہ کہاں رکھا ہے۔ یا اللہ کس مصیبت میں پھنس گیا۔

پھر عزیز نے مرتبان میں چالیس کھجوریں رکھیں کہ روز ایک کھجور کھاؤں گا جس سے یاد رہے گا کہ چالیس دن کب پورے ہوں گے۔

پیارے بچو! چوروں میں سے ایک بادشاہ کا غلام تھا جس کی مدد سے چور محل میں داخل ہوئے۔ جب عزیز محل میں تھا تو غلام موجود تھا۔ چوروں کی صحیح تعداد سن کر وہ ڈر گیا۔ چھٹی کے وقت اپنے گروہ کے پاس پہنچا اور تفصیل بتائی — دوستو! غضب ہو گیا۔ آج محل میں ایک عالم آیا جس نے ہماری درست تعداد بتادی۔ اب وہ کہتا ہے کہ چالیس دن میں ہمارا پتہ لگالے گا۔

چوروں کے سردار نے کہا، وہ شخص سب کو بے وقوف بنا رہا ہے۔ معمولی آدمی ہے، بے فکر رہو۔

غلام نے چوروں کے سردار سے کہا، اس نے کھوئی ہوئی انگوٹھی بتادی کہ کہاں رکھی ہے۔ شکل سے عقل مند لگتا ہے۔ ہمیں کچھ کرنا چاہئے۔

چوروں کے سردار نے کہا، میں نہیں مانتا کہ غیب کا علم رکھنے والا شخص لوگوں کو بازار میں بیٹھ کر مستقبل کے بارے میں بتائے گا۔ اپنی تسلی کے لئے تم اس کے گھر جاؤ اور صورت حال معلوم کرو۔

ملازم چور عزیز کے گھر کی چھت پر چڑھا اور کان لگا کر بیٹھ گیا۔ اس دوران عزیز اٹھا اور مرتبان میں سے کھجور نکالی اور بولا، یہ ہے ایک۔

چور نے گھبراہٹ میں چھت سے چھلانگ لگائی اور دوڑتے ہوئے سردار کے پاس پہنچا اور پھولی ہوئی سانس سے بولا، میں نے کہا تھا نا کہ وہ عام آدمی نہیں ہے۔ مجھے دیکھے بغیر اسے معلوم ہو گیا کہ چھت پر کوئی ہے۔ میں نے خود سنا ہے وہ کہہ رہا تھا کہ — یہ ہے ایک!

سردار نے بے فکری سے جواب دیا، جب سے محل سے آئے ہو، بوکھلائے ہوئے ہو۔ جاؤ آرام کرو۔ کل اپنے ساتھ کسی کو لے جانا۔

اگلے روز رات کو چور کے ساتھ دوسرا چور عزیز کی چھت پر چڑھ گیا۔ عزیز نے مرتبان میں سے دوسری کھجور نکالی اور بولا — یہ ہیں دو۔

دونوں چوروں نے بوکھلاہٹ میں چھلانگ لگائی اور گرتے پڑتے سردار کے پاس پہنچے اور کہا، اسے خبر تھی کہ آج ہم دو آئے ہیں۔ ہم نے اسے بولتے ہوئے سنا ہے کہ یہ ہیں دو۔

سردار نے یقین نہیں کیا اور اگلے روز تین، اس کے بعد چار اور اس طرح انتالیس (39) چوروں کو عزیز کے گھر بھیجا۔ آخر کار چالیسواں دن آ گیا۔

سردار نے کہا، اب خود جا کر دیکھوں گا کہ صورت حال کیا ہے۔ چوروں کا سردار عزیز کی چھت پر چڑھا۔ باقی چور آس پاس پہرہ دینے لگے۔

عزیز بوجھل قدموں سے اٹھا اور مرتبان کو حسرت سے دیکھتے ہوئے بولا۔۔۔ یہ رہا چالیسواں۔ نمبر شمار پورے ہو گئے ہیں۔ قید کا وقت آ گیا ہے۔

سردار کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

جمیلہ نے شوہر سے کہا، مجھے معاف کر دو عزیز۔ میری وجہ سے تم مصیبت میں آ گئے۔ ایسا کرتے ہیں شہر سے بھاگ جاتے ہیں۔

عزیز نے کہا، غلطی میری ہے۔ جانتا تھا کہ کام ٹھیک نہیں ہے۔ سزا بھگتنا پڑے گی۔ شہر کے ہر دروازے پر پہرے دار ہیں اور سب کو خبر کر دی گئی ہے کہ میں شہر سے نکلنے نہ پاؤں۔ اس دوران زور سے دستک ہوئی۔ جمیلہ نے پریشانی سے عزیز کو دیکھا۔ وہ تھکے قدموں سے اٹھا اور دروازہ کھولا تو تلواریں ہاتھ میں لئے لوگ سامنے تھے۔ عزیز نے کہا، جانتا ہوں تم لوگ کیوں آئے ہو۔

یہ کہنے کے بعد جو منظر دیکھا، عزیز کو سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا ہو رہا ہے۔ چالیس چور تعظیم میں جھکے اور تلواریں زمین پر رکھ دیں۔ چوروں کے سردار نے کہا، معزز عالم! آپ جانتے ہیں کہ ہم کیوں آئے ہیں۔ آپ سے کچھ چھپا نہیں۔ ہمیں بادشاہ کے حوالے مت کریں۔ توبہ کرتے ہیں کہ آئندہ چوری نہیں کریں گے۔ عزیز کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ سنبھلتے ہوئے بولا، ٹھیک ہے۔ ایسا نہیں کروں گا لیکن تم لوگوں کو خزانہ لوٹانا ہوگا۔

سردار نے کہا، ہم سب دینے کو تیار ہیں۔

ٹھیک ہے۔ خزانہ آج رات محل میں پہنچا دو۔

چوروں نے راتوں رات جس طرح خزانہ غائب کیا تھا، واپس محل میں پہنچا دیا۔

اگلے روز عزیز محل میں حاضر ہوا اور کہا، جناب عالی! چوروں کو ڈھونڈنا آسان ہے نہ خزانے کا سراغ لگانا۔ میرے علم سے اب صرف ایک بات معلوم ہو سکتی ہے۔ بتائیے کیا جاننا چاہتے ہیں؟

بادشاہ نے سوچے سمجھے بغیر کہا، مجھے صرف خزانہ واپس چاہئے۔ وزیر خاص بولا، حضور! گستاخی کی معافی چاہتا ہوں۔ چور معلوم ہو جائیں تو ان کے ذریعے ہم خزانے کا پتہ لگا لیں گے۔

بادشاہ نے کہا، ہاں یہ ٹھیک ہے۔

عزیز یہ سن کر گھبرا گیا اور بولا، معاف کیجئے گا۔ آپ کی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ کے ساتھ ہی میرے علم نے کام کرنا شروع کر دیا۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ میں خزانے کا پتہ لگا رہا ہوں۔

بادشاہ بولا، اچھا وہی بتا دو۔

عزیز آنکھیں بند کر کے بڑبڑایا پھر زور سے تین بار کہا— آجا آجا آجا! پھر آنکھیں کھول کر پُرجوش لہجے میں بولا، خزانہ واپس آ گیا ہے۔

بادشاہ کو یقین نہیں آیا۔ خزانہ اپنے مقام پر موجود تھا۔ عزیز سے کہا، آج کے بعد میرے ساتھ رہو گے اور بتاؤ گے کہ مجھے کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں۔

عزیز بولا، بہت شکریہ کرم نوازش کا لیکن یہ ممکن نہیں۔ خزانہ ڈھونڈنا اتنا مشکل اور توانائی طلب تھا کہ میری ساری طاقت اسے تلاش کرنے میں ختم ہوگئی۔ بہتر ہے آپ محل کی حفاظت کریں۔

بادشاہ افسوس سے بولا، یہ تو مملکت کا نقصان ہوگیا۔ مجھے دکھ ہے کہ ہماری وجہ سے تم مصیبت میں آ گئے۔ تمہیں زیادہ انعام دوں گا۔ جاؤ! اپنی پسند کی کوئی بھی دو تجوریاں اٹھالو اور گھر لے جاؤ۔

عزیز خوشی خوشی گھر گیا۔ انعام سے کاروبار شروع کیا۔ منافع سے لوگوں کو لنگر کھلاتا تھا اور غریبوں کی مدد کرتا تھا۔ اس نے توبہ کر لی تھی کہ آئندہ ایسا کام نہیں کرے گا جس کی بنیاد جھوٹ پر ہو۔ جمیلہ نے بھی سبق سیکھ لیا تھا کہ دولت سے سکون نہیں ملتا— سکون سے دولت مل جاتی ہے۔

پیارے بچے کی ایک کاوش

سن رسیدہ ہوں چراغ سحری ہے مری
کان دھرنا بات غور طلب ہے مری

اگرچہ نہ رہوں اس جہاں فانی میں میں
عمل پیرا ہونا نصیحتوں پر جو بتاؤں میں

دوڑتا رگوں میں خون ایک ہے
مل کر ہمیشہ رہنا اصول ایک ہے

ہو تدبر تو رائے دینا تدبیر سے تم
مصیبت زدہ جو ہو تو مدد کرنا ضرور تم

کر نہ پائے دشمن جدا، گر رہو مل کر
ساتھ چلنا ایک رہنا ایک رسی پکڑ کر

فرض عین پورے زندگی کے ہمیشہ کرنا
فیاضی اور سخاوت کے اصولوں پر چلنا

دل میں نہ لانا کسی کی برائی
کرنا عمل اصولوں پر کہ یہ ہے اچھائی

عمل پیرا ہونا زندگی کے انمول اصولوں پر
کامیابی بنے دونوں جہانوں میں تیرا مقدر

(فرقان احمد۔ جماعت ہشتم)

خواب تعبیر اور مشورہ

باران رحمت

زاہد محمود، سرجانی۔ تمام گھر والوں کے ساتھ عمرے پر جانا ہے۔ سب خوشی خوشی تیاری کر رہے ہیں۔ ایک دوست کو بتانے کے لئے موبائل جیب سے نکالا لیکن کسی کام میں مصروفیت کی وجہ سے فون نہیں کر سکا۔ پھر اپنے آپ کو ایک گلی میں پایا کہ میں کہیں سے آ رہا ہوں وہاں ایک بزرگ احرام میں نظر آئے۔ میں انہیں دیکھ کر رونے لگا اور وہ بھی رونے لگے۔ میں روتے ہوئے ان کے احرام کی طرف اشارہ کر کے اشاروں میں کہتا ہوں کہ ہم بھی عمرے پر جا رہے ہیں۔ بزرگ وہاں سے چلے گئے۔ میں بار بار سب سے کہہ رہا ہوں کہ فلائٹ کا ٹائم بارہ بجے ہے، جلدی کرو۔ ائیر پورٹ دیکھتا ہوں لیکن وہاں کوئی جہاز نہیں۔

اس کے بعد آقائے دو جہاں، سرور کائنات رحمۃ للعالمینؐ کے روضۂ اطہر پر اپنے آپ کو موجود پایا۔ وہاں میرے کلاس فیلو بھی ہیں اور میں گنبد خضرا کو دیکھ رہا تھا کہ بارش ہوگئی۔

تعبیر: خواب میں وضاحت ہے کہ صاحب خواب درود شریف کا ورد کرتے ہیں۔ درود شریف کا ورد باران رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مبارک کرے۔ معمولات جاری رکھیں۔ مناسب ہے کہ درود شریف پڑھنے کا اہتمام رات کے وقت کیا جائے۔ اس لئے کہ دن میں ذہنی مصروفیات کی بنا پر یکسوئی قائم نہیں رہتی۔

خوش خبری

احمد نواز، اٹک۔ تین کمروں کی چھتیں پرانی ہونے کی وجہ سے ہٹا دی گئیں لیکن ملبہ موجود ہے۔ ایک بزرگ تشریف لائے اور گھیکوار (ایلو ویرا) کا پودا دے کر کہا کہ حضرت بابا تاج الدین ناگپوریؒ کے نام کا یہ پودا لگاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ جب کمرے میں نئی چھت ڈالی جائے گی تو اس پودے کا کیا ہوگا؟ انہوں نے فرمایا کہ اس پودے کی جڑ میں سے ایک اور پودا نکلے گا جسے باہر صحن میں لگایا جائے گا۔

تعبیر: الحمدللہ خواب بہت مبارک ہے۔ انشاءاللہ آپ کی نسل میں اللہ تعالیٰ ایسی اولاد عطا فرمائے گا جو اللہ کی مخلوق کی خدمت کرے گی۔ انشاءاللہ اس بچے میں خدمت خلق کا نہایت روشن جذبہ ہوگا۔ آپ کے لئے الحمدللہ خوش خبری ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اس خواب کی تعبیر کو روشن اور منور کرے، آمین۔

حضرت نانا تاج الدین ناگپوریؒ کا فیض الحمد للہ جاری ہے۔ان کے لئے ایصال ثواب کا اہتمام کریں۔

جنات

نسرین عزیز، مدینہ کالونی۔بہن کے ساتھ بیٹی کے رشتے کی پوچھ گچھ کے لئے جارہی ہوں۔راستے الٹے سیدھے تھے۔ ہم حویلی نما گھر پر پہنچے۔ اندر گئے تو لوگ کھانا کھارہے تھے اور بہت گوشت رکھا ہوا تھا۔ مجھے کھانے کے لئے بلایا لیکن مجھ سے کھایا نہیں گیا کیوں کہ گوشت عجیب سا تھا۔ میں فوراً باہر کی طرف بڑھی تو گوشت غائب تھا۔ایسا لگا یہاں جنات تھے۔ ہم لوگ باہر آئے تو ہریالی نظر آئی پھر ہم نہر پار کر کے گھر آگئے۔

تعبیر: خواب بیماریوں سے متعلق ہے۔ظاہر ہوتا ہے کہ پرہیز نہیں کیا جاتا جب کہ پرہیز کے ساتھ ہلکی پھلکی ورزش اور سیر کرنا ضروری ہے۔گھر میں صفائی کا معیار تسلی بخش نہیں ہے۔

صائمہ اکمل، **تعبیر:** رات کو سونے سے پہلے دھلے ہوئے سفید کپڑے پہن کر دو نفل ادا کریں اور 313 مرتبہ درود خضری پڑھ کر حضور پاکؐ کے روضہ اطہر کا تصور کرتے کرتے سوجائیں۔ چلتے پھرتے وضو بے وضو یاحی یاقیوم پڑھا کریں۔

جگر اور لبلبہ

—، نیو کراچی۔ پتہ چلا کہ ایک بزرگ مراقبہ ہال تشریف لائے ہیں۔ میں نے قریب جاکر سلام کیا۔ بزرگ نے فرمایا کہ میں بیٹھوں گا اور ایک کرسی کی طرف بڑھے جو ہل رہی تھی۔عرض کیا، کرسی باندھ دوں مگر وہ قریب موجود ٹیلے پر بیٹھ گئے۔

پھر دو سیاہ کبوتروں کو دانہ چگتے دیکھا اور چار سفید رنگ کے کبوتر گھاس یا چارا کھا رہے تھے۔

ایک شخص میرے پاس آکر کہتا ہے کہ لنگر دے دیجئے۔ میرے منع کرنے پر اس نے کہا، بزرگ نے فرمایا ہے کہ جو آپ کے پاس بچا ہے وہ دے دو (لنگر میں کلیجی کا سالن اور روٹی تھی)۔آنکھ کھلی تو گھر میں پلی ہوئی بلی سامنے بیٹھی تھی۔

تعبیر: اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی حفظ وامان میں رکھے، آمین۔خواب ضمیر کی خلش سے متعلق ہے۔خواب میں بیماری کے خاکے بھی ہیں۔ اپنی آنکھوں کا خود معائنہ کیجئے۔آنکھوں کے ڈیلوں میں زردی جھلکتی ہو تو جگر اور لبلبہ متاثر ہوسکتا ہے۔ برخیا اسپتال سرجانی ٹاؤن میں ڈاکٹر جاوید سمیع صاحب سے ملاقات کیجئے۔

غیبت

نام پتہ شائع نہ کریں۔خواب دیکھا کہ میرے اسکول کا دوست آیا اور ہم باتیں کررہے ہیں۔کسی بات پر ہماری لڑائی ہوگئی اور میں نے اسے ماردیا۔ پھر اس کی قبر نظر آئی۔

تعبیر: اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی حفظ وامان میں رکھے آپ کے خواب میں غیبت کی تمثیلات ہیں۔ جو لوگ

غیبت کرتے ہیں وہ اس بندے کا خون پیتے ہیں۔

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تجسس نہ کرو اور کوئی تم میں سے کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟'' (الحجرات:۱۲)

آم

طاہرہ، سیالکوٹ۔ خواب میں دیکھا کہ شوہر اور بچوں کے ساتھ کراچی آئی ہوں۔ رات کے وقت شوہر آکر پوچھتے ہیں کچھ چاہئے اتنے میں قریبی سڑک پر آم والا آواز لگاتا ہے۔ شوہر آم خریدنے جاتے ہوئے فوراً واپس آکر کہتے ہیں کہ ایک اللہ والے کی خدمت میں حاضری نصیب ہوئی تھی، انہوں نے آم دیئے تھے۔ یہ کہہ کر بیگ سے تین خوش نما اور تازہ آم نکال کر مجھے دیئے۔ ایک ایک آم دونوں بیٹوں کو اور ایک شوہر کو دیتی ہوں تو وہ واپس کرکے کہتے ہیں کہ یہ بزرگ نے تمہارے لئے بھیجا ہے۔

تعبیر: اس خواب میں سعید اولاد کی شہادت ہے۔ ماں باپ کا فرض ہے کہ بچوں کی صحیح تربیت کریں۔ طریقہ یہ ہے والدین خود اپنی تربیت پر توجہ دیں مثلاً دل آزاری نہ کریں، پیٹھ پیچھے برائی نہ کریں، میاں بیوی آپس میں محبت کی آواز میں بات کریں۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے ستّر ماؤں سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ باپ کی ذمہ داری ہے کہ غصے پر کنٹرول کرے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے، ''جو لوگ غصہ کھاتے ہیں (یعنی غصہ نہیں کرتے)، لوگوں کو معاف کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے احسان کرنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے۔''

غور کیجئے معاف کرنے اور غصہ نہ کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔ جو لوگ معاف نہیں کرتے اور غصہ کرتے ہیں ــــ؟ جو غصہ کرتے ہیں ان لوگوں کے بارے میں خود سوچئے..... ! اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر بہت زیادہ غور کیجئے کہ جو لوگ غصہ نہیں کرتے غصے کو پی جاتے ہیں اللہ ایسے احسان کرنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے۔ اگر ــــ؟

م۔ا۔ع، **تعبیر۔** انشاء اللہ، اللہ رب العالمین کی طرف سے سعادت نصیب ہوگی۔

عمرے کا ویزا

حکیم ارم نوید، کراچی۔ شوہر گھر میں آئے تو کہتی ہوں کیا آپ کے دوست نے عمرے کا ویزا بھیج دیا؟ وہ کہتے ہیں کہ میں سب کے ساتھ جاؤں گا۔ میں نے کہا جسے موقع مل رہا ہے وہ تو روضۂ رسولؐ کی زیارت کرے۔ دیکھا کہ کہیں سے پاسپورٹ اور ویزا آگیا ہے۔ خوشی خوشی سب سے کہہ رہی ہوں کہ اب مجھے اپنے نبیؐ کے دربار میں جانے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

تعبیر: زندگی گزارنے کے بے شمار راستے ہیں۔ ایک راستہ صراط مستقیم ہے۔ اس مختصر تحریر میں آپ کے

خواب کی تعبیر موجود ہے۔ انشاء اللہ آپ کو اللہ کے محبوبؐ کے دربار اور خالق کائنات اللہ کے گھر یعنی بیت اللہ شریف جانے کی سعادت نصیب ہو۔

اللہ تعالیٰ مبارک کرے، آمین۔

زمین ٹوٹنے لگی

سید فراست علی، کراچی۔ نئی جگہ نوکری کے لئے جارہا ہوں۔ والد مرحوم کو دیکھا کہ لال گلاب کا ہار پہنے ہوئے ہیں۔ راستے میں نظر آیا کہ پینٹ شرٹ کے ساتھ پاؤں میں چپل ہے۔ میں وہیں گاڑی سے اتر گیا۔ اس جگہ ایک نالے کی دیوار سے کیچڑ والا پانی نکل رہا ہے۔ پھر زمین ٹوٹنے لگی، لوگ چیختے ہوئے بھاگ رہے ہیں۔ میں بھی ادھر ادھر بھاگ کر بچنے کی کوشش کررہا ہوں اور ہاتھ میں موبائل پر کسی سے بات کررہا ہوں۔ پھر زمین ہلنا رک گئی۔ کئی رشتہ دار نظر آئے، ایک مرحوم رشتہ دار نے مجھے ایسی تھیلی دی جو شادیوں میں نکاح کے بعد بانٹی جاتی ہے۔ میرے پوچھنے پر کہ یہ کیا ہے، وہ روتے ہوئے گلے لگ گئے، میں بھی رونے لگا۔ خیال آیا کہ اذان دینی چاہئے۔

تعبیر: ذہنی خلفشار، آپس میں کھینچ تان، غصے پر عدم کنٹرول خواب میں بنیادی اشارے ہیں۔ اس کا حل یہ ہے کہ فریقین میں ایک چپ کا روزہ رکھ لے یعنی کوئی کچھ بھی کہے، کوئی غصہ کرے، ایک فریق خاموشی اختیار کرے۔ برداشت سے باہر کوئی بات ہو تو شمال کی طرف بیٹھ کر ایک گلاس پانی تین گھونٹ میں پی لیں اور کچھ دیر کے لئے آہستہ آہستہ پڑھیں، ''جو لوگ غصہ کھاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں ایسے احسان کرنے والے بندوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے''۔ نیند آجائے تو سوجائیں، کوئی کتاب پڑھنا شروع کردیں یا کچھ دیر کے لئے گھر سے باہر چلے جائیں۔ اس عمل سے انشاء اللہ غصے کی کیفیت سے نجات مل جائے گی۔

خدیجہ ایمن، لاہور۔ **تعبیر:** صفائی کا خاص خیال رکھیں اور صبح اٹھ کر سیر ضرور کریں۔ چلتے پھرتے وضو بے وضو یا حی یا قیوم کا ورد کریں۔

ج، کراچی۔ **تعبیر:** علم حاصل کرنے کے لئے ذہنی یکسوئی از بس ضروری ہے۔ یہی آپ کے خواب کی تعبیر ہے۔

خواب اور بیداری کے کھانے

سلمیٰ، پنجاب۔ ایک اونچے جھولے پر بیٹھ کر جھولنے لگی۔ اتنا اونچا جھولی کہ خوف پیدا ہوا اور جھولے سے اتر گئی۔ آگے گئی تو ہاتھوں میں عجیب سے پھول تھے جو پھینک دیتی ہوں۔ پھر دیکھا کہ میرے چہرے پر سفید چھالے بننے سے چہرہ خراب ہوگیا لیکن کمرے سے باہر نکل کر دیکھا تو چہرہ ٹھیک تھا۔

میرے ایک جاننے والے نے خواب دیکھا کہ وہ بریانی کھا رہے ہیں۔ جب بیدار ہوئے تو ہاتھوں سے بریانی کی خوش بو آرہی تھی، ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ نیند

میں کھائی ہوئی چیز بیداری میں آجائے۔گزارش ہے کہ خواب کی تعبیر کے ساتھ اس پر بھی روشنی ڈالیں۔

تعبیر: چہرے پر سفید چھالے، پھول پھینک دینا، جھولے میں اونچا اڑنا اس بات کی نشان دہی ہے کہ آپ دوسروں پر تنقید کرتی ہیں جس سے ان کی دل آزاری ہوتی ہے۔ چہرہ ٹھیک نظر آنے کا مطلب ہے کہ دل آزاری کی عادت چھوڑ دینے سے خوشیاں آپ کا گھیراؤ کرلیں گی اور لوگ آپ سے محبت کریں گے۔

جب انسانی ارادہ اور شعور کسی چیز میں مرتکز ہو جاتا ہے (خواہ بیداری ہو یا خواب) تو وہ تصویر سے عمل میں بدل جاتی ہے۔ یعنی وہ چیز مظہر بن کر سامنے آجاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہئے کہ کیمیکل امپلس (Chemical Impulse) ان تصورات کو خدوخال دے کر مظہر بناتے ہیں۔ الیکٹرک امپلس (Electric Impulse) جب کیمیکل امپلس میں تبدیل ہوتے ہیں تو تصور مادی نقش و نگار کا روپ دھار کر شکل وصورت میں رونما ہو جاتا ہے۔

قانون: جو چیز الیکٹرک امپلس سے کیمیکل امپلس میں بدل جاتی ہے اس کا اثر خواب کی طرح بیداری کے حواس پر بھی معین وقفے تک موجود رہتا ہے۔

خواب یا بیداری دونوں حالتوں میں یہ دونوں

ماہنامہ قلندر شعور دسمبر 2019ء

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر

پورا نام:..... والدہ صاحبہ کا نام: .....

پورا پتہ:.....

ازدواجی حیثیت:.....وزن (تقریباً): .....آنکھوں کا رنگ.....

نیند کیسی آتی ہے:.....بلڈ پریشر (نارمل/ہائی/لو):..... تاریخ پیدائش:.....

میٹھا پسند ہے یا نمکین چیزیں زیادہ مرغوب ہیں؟.....فون نمبر.....

خدانخواستہ دماغی، نفسیاتی مرض اور وہم کے مرض میں مبتلا ہوں تو ضرور لکھیں: ہاں / نہیں

مختصر حالات : .....

.....

ایجنسیاں برسرعمل رہتی ہیں۔فرق یہ ہے کہ خواب میں الیکٹرک امپلس کی کارکردگی زیادہ ہوتی ہے اور بیداری میں کیمیکل امپلس کی کارکردگی نمایاں ہوتی ہے۔اگر بیداری کی طرح خواب میں بھی کیمیکل امپلس نمایاں ہوجائے تو ایسی صورت میں خواب میں دیکھی ہوئی، محسوس کی ہوئی یا چکھی ہوئی کوئی چیز بیداری میں بھی خواب کی طرح نظر آتی ہے۔

مثال: خواب میں ہم سنگترہ کھاتے ہیں اور اس کا مزہ بھول جاتے ہیں۔کیوں بھول جاتے ہیں؟ اس لئے کہ سنگترے کا مزہ ہمیں الیکٹرک امپلس کے ذریعے موصول ہوا ہے لیکن یہی مزہ اگر خواب میں الیکٹرک امپلس سے کیمیکل امپلس میں بدل جائے تو ہم سنگترے کے ذائقے کو بیداری میں بھی محسوس کریں گے۔

فوزیہ، کراچی۔ تعبیر: ذہن میں وسوسوں کا ہجوم رہتا ہے، خواب میں جو کچھ دیکھا ہے وہ اس بات کی نشان دہی ہے کہ آپ کو ذہنی یکسوئی کی ضرورت ہے۔ صفائی کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ کثرت سے یا حیی یا قیوم پڑھیں۔ بال اگر الجھے ہوئے رہتے ہیں تو کنگھی کر کے قاعدے میں کریں۔ کھانوں میں نمک کی زیادتی مفید نہیں۔

پابند اور آزاد حواس

خواب کے حواس ہوں یا بیداری کے حواس ہوں، دونوں کے تقاضے یکساں ہوتے ہیں۔فرق اتنا ہے کہ بیداری میں حواس زمان و مکان کے پابند ہوتے ہیں اور خواب میں حواس زمان و مکان کے پابند نہیں ہیں۔یہی وجہ ہے کہ کوئی انسان خواب میں کئے ہوئے اعمال یا دیکھے ہوئے واقعات میں ترتیب قائم نہیں رکھ سکتا۔ کیوں کہ اسے بیداری کے ایسے حواس میں زندگی گزارنے کی عادت پڑ جاتی ہے جہاں وہ ہر قدم پر پابند ہے۔

اللہ کریم نے انسان کے اندر یہ صلاحیت ودیعت کی ہے کہ وہ غیب سے آگاہی حاصل کر سکے اس لئے انسان کے اندر ایسے حواس کی موجودگی ضروری ہے جن سے وہ غیب سے متعارف ہوجائے۔ خواب میں کام کرنے والے حواس دراصل وہ صلاحیت ہیں جو نوع انسان کو غیب سے نہ صرف قریب کرتی ہے بلکہ غیب کے اندر داخل کر دیتی ہے۔ بیداری میں کام کرنے والے حواس کی رفتار خواب میں کام کرنے والے حواس کی رفتار سے ساٹھ ہزار گنا کم ہے۔

dysfunctional.

Spiritual experts tell us that when subconscious terminates its contact with body, things associated with the body stop functioning.

Subconscious used conscious and bodily functions were performed through body. When subconscious lost contact with the body, the systems associated with it became dysfunctional. This means that actions taking place under physical system such as reading, writing, speaking, inventing, thinking etc. fall under the control of subconscious. If we have to direct ourselves to the origin of information, we will need to focus on subconscious.

In 1955, the brain of Einstein was removed seven and a half hours after his death. The idea behind this was to study his brain and qualities therein to understand as to what was so special about him that helped Einstein produce such landmark theories. Many scientists have been working on this brain such as Thomas Harvey, Professor Mary Ann Diamond and Dan Falk. Their work notwithstanding, the scientists have not been able to arrive at a consensual view about the physical source of Einstein's ideas. Several ideas militated against each other and many researches were rejected as being erroneous. In addition to Einstein, the brains of several other genius persons were removed and preserved such as mathematician Fredrick Gauss Carl, Russian revolutionary Lenin, Edward Rudolf etc. The reason for failure of this research is the fact that after a brief period following death the quantities which make body and its organs begin to change and disintegrate.

Spiritual experts tell us that human brain is a receiver that receives information and divides them into various elements. We can now understand this by the example of a radio receiver. Radio station sends all the information to remote places by collecting them and channelising them in a wave called carrier. This wave carries several small waves and spreads them throughout space. This process is called transmission of information. When this wave is received by a radio receiver at a remote place, it separates smaller waves and channelises them to various parts of radio. Similarly, brain receives information in subconscious in waves and then separates information contained therein and spreads them through various body parts enabling human organs to move. When there is an obstruction in the reception of these waves, death takes place.

Human conditions of life and death are formed by the connection of conscious and subconscious. Subconscious is the inner angle of human beings. Sufism indicates this angle and tells us that science only talks about the things which can be touched or experienced. Spiritualism is linked with experiences of inner being. Yet there is a strong relation between them. These two progress through mutual cooperation.

(Last Episode)

vidual long ago. All these things take place under a system which needs to be studied and explained.

Human body drives its satisfaction utilising various means such as hunger, thirst, sadness, happiness, business, education, family etc. Consciousness is considered as the source of all these urges. This means consciousness makes us feel hungry, it makes us seek knowledge or incline us towards starting a business.

It is clear that even if we consider conscious as the source of all these urges, all these urges are born out of an idea or a thought. When one thinks of hunger, one feels hunger. At times it happens that one is engrossed in some activity and this concentration increases to the extent that one forgets about hunger or thirst. When one dies, one cannot feel any urge. In fact, feeling is categorisation of ideas which is formed out of senses. When a healthy person dies due to some reason, his body despite being healthy does not feel hunger. The dead body does not express emotions. Does not the dead body's conscious exist?

The agency that motivates conscious is subconscious. When subconscious breaks its link with conscious, it dies. Human body is not active only because of emotions or self-consciousness. Had it been so, the dead body would have grown even after death. It is observed that whenever a dead body is buried, it decomposes and disappears gradually. It appears as if insects and bacteria eat up the body. Question arises as to why does not a living body decompose?

Qalandar Baba Auliya (RA) has defined the relation between conscious and subconscious as,

"Conscious always flows from subconscious. But very few conditions of subconscious go into conscious. Conditions which go from conscious into subconscious are protected in memory and this is called superconscious which is considered part of subconscious. One does not feel subconscious but it has all the memory. In fact, the whole universe exists in subconscious- past, present and future. The cover that separates man from subconscious cannot be removed without effort."

It is clear when the agency that keeps the living body active ceases to exist, the body dies. Its senses, its systems such as lungs, heart, digestive organs are gone.

Biology considers all those things alive which have following characteristics:

It has cells. Has digestive, respiratory, circulatory, sensory, excretory and reproductive systems. It is actively automatic.

When a man with the above qualities dies, he continues to have all these systems but they are not functional. Kidney in a dead person does not work but if that kidney is transplanted in a living person, it functions well. Question arises as to what has the living man lost that has made his organs

What Do We See?

Why does not a living body decompose?

Conscious awareness is subject to transformation. When a child enters an advanced stage, his previous stage or year in life disappears. The year that passed exists somewhere but not within the restrictions of time and space. But the feeling that it exists continues to linger on. Each moment of the year being spent in present is subject to time and space.

Let us think about this further. The present moment that is passing, is passing through the restrictions of space and gravity and the moment that has passed has become free of restrictions of space and gravity but it exists somewhere since the brain keeps the sense of its existence.

Qalandar Baba Auliya (RA) indicates this dimension as follows. "We eat, drink, walk, sit, work and relax in our dreams. We perform these activities in wakeful state too. What is the difference in these two states? Why is it that when although there is nothing in the environment one remembers an unrelated individual or event even after the passage of a lot of time?

All these things are happening under a system which is yet to be studied."

Summary of the articles published earlier: Hazrat Baba Qalandar Auliya (RA) says, "We see, hear and touch through light. Light gives us senses. Senses used in acquiring knowledge are given by light. If there are no lights, there will be no senses. We would not be able to observe ourselves and other things as well."

Quran and other revealed books inform us that God does not change His Sunnah. This means that natural laws do not change or get suspended. We can conclude that laws governing manifestations such as light, water, clouds, evaporation, winds, birds and plants etc. would have been unchanged since the inception of history. Yet we come to know that throughout history changes take place in various phases. When we try to understand the issues of an age with the understanding and knowledge of another age, we are confused.

We habitually consider activities done while we are awake as conscious living, and while we are asleep, as dreams.

The centre of our conscious living is the body that is awake. The messengers of God consider sub conscious as the source of all these activities which can be explored during sleep. Hazrat Baba Qalandar Auliya (RA) says that one walks, sits and eats in dreams. He works too and when he is awake he can perform similar jobs i.e. sit, walk, eat etc. What is the difference in the two states? Even why can one recall an activity or an individual when the activity took place several years ago or one met that indi-

V

strong tree – a tree under which hundreds of people can rest and relax.

Water is a formula of creation that is described in detail in the Holy Quran,

"We have created you from dust, then from a drop of seed, then from a clot, then from a little lump of flesh shapely and shapeless, that We may make (it) clean for you. And We cause what We will to remain in the wombs for an appointed time, and afterward We bring you forth as infants, then that ye attain your full strength." (Quran, 22:5)

The first stage of birth – sperm – is water. The 2/3 part in a mother's womb is also water; the blood that nurtures the baby is water, the milk vital for its nourishment after birth is water, vegetables, fruits, meat, tea, juices and soups that we consume are all water.

Water is an integral part of food, bread, stews and curries. Water is the base in all stages of our lives. Water wells up in the eyes when one has a fit of laughter, and it rolls down the cheeks of those who are sad. Even our emotions of happiness and sadness are expressed through water. The lack of water in our body can cause death. If water does not transform into a sperm, birth is not possible. There is not a single thing on Earth, in which water is not a prevalent component.

Contemplating the creation of the Earth reveals that all creatures are shaped up and created individually in separate moulds, where the matter that is used as a base is water.

Among many attributes of water is its nature to flow. When the flow stops, it rots and stenches. More than 50% of the human adult body is composed of water, which means that human nature is the same as that of water. Humans are close to their nature if they remain active, and when they deviate from their nature by remaining inactive, they are taken over by stagnation. And where there is stagnation, there is putrefaction, which is this case is perturbation, anxiety, discomfort, and disease.

Listen, O drop, give yourself up without regret,

and in exchange gain the Ocean. Listen, O drop, bestow upon yourself this honour,

and in the arms of the Sea be secure.

Who indeed should be so fortunate?

An Ocean wooing a drop!

In God's name, in God's name, sell and buy at once!

Give a drop, and take this Sea full of pearls."

—Maulana Jalal al-Din Rumi (RA)

is its demonstration of movements through waves. Dropping stones or rowing a boat also forms waves in water. In fact, these very waves propel boats and ships forward in water, making worldwide voyages possible.

God Almighty said: "God it is Who hath made the sea of service unto you that the ships may run thereon by His command, and that ye may seek of His bounty, and that haply ye may be thankful." (Quran, 45:12)

"And He it is Who hath constrained the sea to be of service that ye eat fresh meat from thence, and bring forth from thence ornaments which ye wear. And thou seest the ships ploughing it that ye (mankind) may seek of His bounty, and that haply ye may give thanks." (Quran, 16:14)

Water is a great solvent. It is known as a universal solvent because most compounds dissolve in it. Most substances (glucose, protein, or DNA) found in the cells of all living beings and other substances that creatures need, are soluble in water. Due to this attribute of water, tons of life in the oceans receive nutrients.

Furthermore, there is a metabolic system in all living things, in which cells increase their growth, count, and attain energy. This system too, is reliant upon water. During the metabolic process, water is released when protein, carbohydrates, and fats are in the process of development. During this process, the role of water is vital in breaking down larger compounds into glucose and amino acids to attain energy. Therefore, water is not only a source of life, but it also plays a key role in its sustenance and continuation. Large creatures on Earth rely upon the circulation of blood, which comprises of 90% water, and this is the case with the human brain too as it is mostly composed of water. According to research, the human body is composed of more than 50% water.

Water and the resources produced from water come under discussion when one contemplates the creations of Earth. Just like a mother, the Earth holds the omnificent energy that focuses on life-giving and nurturing aspects, and gives birth to such amazing, colourful creations that are a sign for those who contemplate. Everything receives the same sunlight, moonlight, air, and gases, but when water is absorbed into the womb of the Earth, innumerable, colourful creations come into being. There are billions of moulds in the womb of the Earth. Water, when settling into any of those moulds, takes the shape of the mould. It either turns into a banana, an apple, grapes, or even exhibits itself as beautiful flowers on the Earth's surface.

A seed of a banyan tree is tinier than a poppy seed. When sowed into the Earth's womb, it nurtures and develops it into a giant and

they neutralise the changes in the weather, recurrently.

The presence of water on Earth, indeed, is a boon from God Almighty. Scientific research tells that if the Earth were even 5% farther or closer to the sun, water would be present only in the forms of either ice or gas, respectively. Similarly, if the size of the Earth was reduced spherically, the gravity would reduce also. Reduction in gravity would cause the atmospheric circumference to reduce and become thinner, and as a result, the Earth would become vulnerable to the intense heat and rays emitting from the sun. In this situation, life in any form would be impossible. Along with oceans, water molecules and carbon dioxide play a very important role in maintaining and protecting the Earth's temperature.

God Almighty said:

"And We send down from the sky water in measure, and We give it lodging in the Earth, and lo! We are able to withdraw It." (Quran, 23:18)

In the process of respiration, all creatures on Earth breathe out carbon dioxide and breathe in oxygen. During daylight, all plants and trees prepare their food (glucose) through chlorophyll and through sunlight take carbon dioxide from the atmosphere. This process is called Photosynthesis, and it keeps the Earth green and the atmosphere cleaner automatically. Water plays an integral part in photosynthesis. But how does it transfer from the roots to the leaves despite there being no such organ present within them to pump the water upwards?

A unique trait of water helps the plants overcome this. Due to the intense attraction between water molecules, the surface tension of water is very high.

When air enters water, bubbles are formed. Since water molecules are attracted to each other, they are not separated, while the air remains inside. From roots to leaves, there is a thin netlike arrangement of veins in the plants. These veins become narrower as they move from the bottom to the top. The molecules in the veins, due to attraction, travel upwards, where water at the surface level becomes uneven due to the narrowed veins. This is where the surface tension helps. The water stabilises it and as a result, the water moves upwards. This process functions opposite to the law of gravitation, which is known as Capillary Action.

Science has explained Capillary Action as described above, but if one thinks deeply, the explanation is incomplete and incomprehensible. Regardless, capillary action is an attribute of water due to which it moves upwards against the principles of gravity, and the life of the plant kingdom depends upon it.

Another important trait of water

tinct liquid and gas phases do not exist. This condition is found in marvels of nature, such as the hot water from underwater volcanoes. The water is heated to an extreme level but the immense water pressure keeps it in a liquid state. Because of such extreme temperature and pressure, a 'supercritical fluid' state is developed.

The features of water inform us how its attributes are significantly important for the existence of humans, animals and plants. It seems that water has endowed itself entirely to serve all life forms on Earth.

Another prominent trait of water is the extreme proportion of its density i.e. 4 degrees centigrade. Most material things contract when they get cooler, which increases their density and weight. The same is the case with water, its density is increased when temperature declines, but after cooling for about 4 degrees, if it cools further, then against all rules, its density begins to decrease rather than increase, all the way to the freezing point until it turns to ice. Due to which, ice at the same volume of water, is lighter in weight.

For instance, one cubic metre of water with a temperature of 4 degrees centigrade weighs about 1,000 kilograms, whereas the weight of one cubic metre of ice is only 917 kilograms. This is the reason why ice floating on the surface of water does not sink, because it is less dense than the water.

Huge glaciers float on a body of water because they are lighter than the water. Due to this trait of water, billions of fish and other oceanic creatures survive and live at the bottom of the sea where the temperature is higher. Water and ice are not good conductors of heat, therefore, the temperature at the bottom of the sea does not move upward to the surface due to the ice above, and despite the temperatures being very low in the atmosphere above the ice, the upper layers of the water body becomes icy, while water at the bottom remains warm.

The water at 4 degrees centigrade is the densest and it sits towards the bottom of the ocean. On top of that are the layers of water that are at 3, 2, and 1 degree centigrade respectively. On top of that is ice.

Interestingly, in summers or in hot regions, the situation is the opposite. No matter how hot the atmosphere is, water present at the bottom of lakes and oceans remains cold because it is heavier, and therefore, the creatures in the water remain protected from heat.

Water has a dynamic attraction between its basic molecules which is known as Hydrogen Bonding. For this reason, water can tolerate extreme heat. This trait of water stabilises the temperature of the Earth, and due to these reservoirs, it remains safe from the harshness of the weather, whether cold or hot. Water reservoirs function as a filter for weather conditions as

Water is Life — Life is Water

Contemplating the creation of the Earth reveals that all creatures are shaped up and created individually in separate moulds, where the matter that is used as a base is water.

Water is life, and life is water – no living being can do without it. The amount of water in the average adult human body ranges between 50-75%.

God, the Almighty says,

"We made every living thing of water? Will they not then believe?" (Quran 21:30)

"God hath created every animal of water. Of them is (a kind) that goeth upon its belly and (a kind) that goeth upon two legs and (a kind) that goeth upon four. God createth what He will. Lo! God is Able to do all things."

(Quran, 24:45)

Water is the most abundant element on the planet Earth, covering about 71% of its surface. Most of the water (96%) is present in oceans and seas, whereas, only 1.7% is present underground, and 1.7% in the shape of glaciers. Reservoirs such as rivers, lakes, fountains, water streams, etc. for consumption purposes are less than 1% of the entirety of water on Earth.

Water, in its physical state, is found in liquid form. Pure water is tasteless, pristine, colourless, and with no odour whatsoever, however, there is a blueish hue in its basic color. In its solid state, it is called ice. Ice alone has different categories; it can be hard, crystal-like, in the form of gigantic glaciers, or as snow falling from the sky. One of the states of water is gas and, in that state, it is in a clear vapour form. This vapour is present everywhere and amounts to roughly 1 to 4% of the atmosphere. Meteorologists describe its measurement with respect to the 'Humidity Ratio'. Accretion of these vapours, visible as smoke, are tiny droplets of water in liquid state that have outgrown their ratio in air. Similarly, giant clouds too, are the cumulative reservoirs of both air and ice floating in the air. They serve as giant tankers of nature, aiding the realms with fresh and purified-distilled water. God describes this phenomenon in the Quran in these words:

"Hast thou not seen how God wafteth the clouds, then gathereth them, then maketh them layers, and thou seest the rain come forth from between them; He sendeth down from the heaven mountains wherein is hail, and smiteth therewith whom He will, and averteth it from whom He will. The flashing of His lightning all but snatcheth away the sight."

(Quran, 24:43)

Another state of water is 'supercritical fluid', where dis-

those people who are close to God and are a part of His administration system i.e. *Nizam-e-Takween*. Prophet Jesus (PBUH) said,

"But whosoever drinketh of the water that I shall give him shall never thirst; but the water that I shall give him shall be in him a well of water springing up into everlasting life."

(Bible, John 4, Verse 14)

Contemplating the above saying reveals that water is a key element in the kingdom of God. All elements in the universe, base units and all processes of creation are based on water. Water provides life to the each and every particle of the universe. Water and soil are mentioned again and again in all heavenly books, including the Quran, when the creation of the universe is discussed.

"And in the Earth are neighbouring tracts, vineyards and ploughed lands, and date palms, like and unlike, which are watered with one water. And We have made some of them to excel others in fruit. Lo! herein verily are portents for people who have sense." (Quran, 13:4)

"He it is Who showeth you the lightning, a fear and a hope, and raiseth the heavy clouds. The thunder hymneth His praise and (so do) the angels for awe of Him. He launcheth the thunder bolts and smiteth with them whom He will while they dispute (in doubt) concerning God, and He is mighty in wrath." (Quran, 13:12-13)

God Explains Through Similitudes

"He sendeth down water from the sky, so that valleys flow according to their measure, and the flood beareth (on its surface) swelling foam from that which they felt in the fire in order to make ornaments and tools riseth a foam like unto it thus God coineth (the similitude of) the true and: the false. Then, as for the foam, it passeth away as scum upon the banks, while, as for that which is of use to mankind, it remaineth in the earth. Thus God coineth the similitudes." (Quran, 13:17)

"And We send the winds fertilising, and cause water to descend from the sky, and give it you to drink. It is not ye who are the holders of the store thereof." (Quran, 15:22)

"He it is Who sendeth down water from the sky, whence ye have drink, and whence are trees on which ye send your cattle to pasture." (Quran, 16:10)

(Episode 5)

"Dear seeker, you will not be able to rise to carry out the commands of God until you monitor your heart and limbs in every moment and every breath."

—Imam Ghazali (RA)

houses.

When Prophet Jesus (PBUH) demonstrated his miracles to prove his prophethood, people requested that he make a bat. Prophet Jesus (PBUH) made a clay bat, blew into it, and it came to life and began to fly.

A bat is a distinctive and strange bird. It is superior to regular birds and is a great example to prove the existence of God as it flies without wings. It has teeth, it laughs, gives birth and feed milk to its pups.

During the time of Prophet Jesus (PBUH), medical science was at its peak. Many well-known doctors and physicians were well versed in curing all kinds of illnesses, however, they could not cure leprosy. Thousands of disabled people used to come to Prophet Jesus (PBUH) and were subsequently healed.

A Dead Man Came Back to Life After Three Days of His Death

Hazrat Ibn Abbas (RA) has narrated, "Prophet Jesus (PBUH) brought back three people to life. One of them was called Aazir, who was loyal to him. When his health deteriorated, his sister sent Prophet Jesus (PBUH) a message to inform him of his health. His house was three days away from Prophet Jesus (PBUH) however. When Prophet Jesus (PBUH) reached there, Aazir had already passed away three days prior. Prophet Jesus (PBUH) asked his sister to take him to his grave.

Upon reaching there, Prophet Jesus (PBUH) made a prayer to God. Aazir came back to life and out of the grave. He lived for a while, got married and had children.

"Once, a funeral procession was passing by. It was the funeral of a son of an elderly widow. She cried and begged Prophet Jesus (PBUH), "I only had one son. You are prophet of God. Bring my son back to life." Prophet Jesus (PBUH) prayed for the boy and he came back to life.

"A girl once passed away. Once again, Prophet Jesus (PBUH) prayed for her, and she came back to life."

People asked Prophet Jesus (PBUH) to bring Sam Ibn Noah back to life, who had been dead for thousands of years. They told him about the location of his grave, and Prophet Jesus (PBUH) prayed there. As soon as Sam heard it, he stood up out of fear, for he thought the day of judgement had arrived. Half of his hair turned white from the fear. He then accepted the Truth, believing in Prophet Jesus (PBUH). He requested that he did not want to go through the pain during the death process. Prophet Jesus (PBUH) agreed, and after a short while, Sam Ibn Noah passed away.

The Administration of God

Prophet Jesus (PBUH) is among

Physics

The era of Prophet Jesus (PBUH) was one of medical and physical sciences. Greece dominated many of the great nations. God chose Prophet Jesus (PBUH) for the dissemination of His message. On one hand, God blessed him with Wisdom and the Bible, and on the other hand He blessed him with miracles that could work as signs for the intellectuals, so that they would have no reservations in accepting the Truth, leaving no reason for them to disregard it.

"And He will teach him the Scripture and wisdom, and the Torah and the Gospel. And will make him a messenger unto the children of Israel, (saying): Lo! I come unto you with a sign from your Lord. Lo! I fashion for you out of clay the likeness of a bird, and I breathe into it and it is a bird, by God's leave. I heal him who was born blind, and the leper, and I raise the dead, by God's leave. And I announce unto you what ye eat and what ye store up in your houses. Lo! herein verily is a portent for you, if ye are believers. And (I come) confirming that which was before me of the Torah, and to make lawful some of that which was forbidden unto you. I come unto you with a sign from your Lord, so keep your duty to God and obey me. Lo! God is my Lord and your Lord, so worship Him. That is a straight path." (Quran, 3:48-51)

Blind by Birth

"When God saith: O Jesus, son of Mary! Remember My favour unto thee and unto thy mother; how I strengthened thee with the holy Spirit, so that thou spakest unto mankind in the cradle as in maturity; and how I taught thee the Scripture and Wisdom and the Torah and the Gospel; and how thou didst shape of clay as it were the likeness of a bird by My permission, and didst blow upon it and it was a bird by My permission, and thou didst heal him who was born blind and the leper by My permission; and how thou didst raise the dead, by My permission and how I restrained the Children of Israel from (harming) thee when thou camest unto them with clear proofs, and those of them who disbelieved exclaimed: This is naught else than mere magic." (Quran, 5:110)

"And they say: lo! this is mere magic." (Quran, 37:15)

There are four miracles of Prophet Jesus (PBUH) mentioned in Quran:

- Bringing the dead back to life by the will of God.
- Enabling the sight of those who had been blinded since birth, and healing lepers.
- Making a bird out of clay and blowing his breath into it. With the Will of God, the bird would come to life.
- Accounting as to who had what, and what was stored in people's

Prophet Jesus (PBUH)

When Prophet Jesus (PBUH) demonstrated his miracles to prove his prophethood, people requested that he make a bat. Prophet Jesus (PBUH) made a clay bat, blew into it, and it came to life and began to fly.

A House of Gold

"And they say: We will not put faith in thee till thou cause a spring to gush forth from the earth for us; Or thou have a garden of date palms and grapes, and cause rivers to gush forth therein abundantly; Or thou cause the heaven to fall upon us piecemeal, as thou hast pretended, or bring God and the angels as a warrant. Thou have a house of gold; or thou ascend up into heaven, and even then we will put no faith in thine ascension till thou bring down for us a book that we can read. Say (O Muhammad): My Lord be glorified! Am I naught save a mortal messenger?" (Quran, 17:90-93)

"And even if We opened unto them a Gate of Heaven and they kept mounting through it. They would say: Our sight is wrong nay, but we are folk bewitched." (Quran, 15:14-15)

"If they saw every token they would not believe therein; to the point that, when they come unto thee to argue with thee, the disbelievers say: This is naught else than fables of the men of old." (Quran, 6:25)

Prophets are blessed with miracles and signs appropriate and in accordance to their times. For example, during the time of Prophet Abraham (PBUH) knowledge of astronomy and chemistry was prevalent. His nation used to believe that the influences of stars are their own effects, therefore, they used to worship them. His nation believed the Sun to be their greatest deity, as it produces both light and heat. Light and heat were thought to be basis of the universe as they are mandatory for survival. People worshipped fire, considering it a manifestation of the Sun. After having no answer to the logical explanation from Prophet Abraham (PBUH) against idols, the king and commoners threw him into fire. God however, turned the fire cool and peaceful for him.

In the era of Prophet Moses (PBUH), art and magic dominated the nation. People had great expertise in the art of sorcery. Therefore, according to the needs of his time, Prophet Moses (PBUH) was blessed with the miracle of the staff and the shining hand, along with Torah.

When Prophet Moses (PBUH) demonstrated the knowledge of God, magician and sorcerers admitted, "This is indeed not sorcery. This knowledge is beyond the comprehension of a layman."

ماہنامہ

روحانی ڈائجسٹ

کراچی

یہ پرچہ بندہ کو خدا تک لے جاتا ہے
اور بندہ کو خدا سے ملا دیتا ہے

چیف ایڈیٹر: خواجہ شمس الدین عظیمی

مینیجنگ ایڈیٹر: ڈاکٹر حکیم وقار یوسف عظیمی

روحانی ڈاک میں آپ کے مسائل و مشکلات کا حل پیش کیا جاتا ہے۔

شعور کے پس پردہ لاشعور کی حقیقت کی پردہ کشائی کی جاتی ہے۔

خواتین کی زندگی کو پُرکشش، پرسکون بنانے کے لئے مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔

بچوں کے لئے کہانیاں اور بہترین مستقبل کے لئے راہنما اصول بیان کئے جاتے ہیں۔

دین و دنیا کی خوشی حاصل کرنے کے لئے روحانی ڈائجسٹ ہر جگہ دستیاب ہے۔

her even more proud of her choice. As they emerged from the darkness of the cave, and advanced through the dense forests and mountains, they saw a vast meadow of grass, which was of silver; and at the bottom of the meadow was a castle of gold, laden with diamonds and rubies. The carriage stopped before the door, and the king of the mines offered his hand to his bride, saying, "My dearest wife, all that you see is yours."

Marienka was delighted. As she was hungry, the mountain people brought in a table, everything on which glittered with gold, silver, and precious stones. The dishes looked marvelous as they were all filled with emeralds, gold and silver. Everyone ate the precious metals and stones heartily except the bride, who begged her husband for a little bread. The king ordered the copper bread to be brought before her and she could not eat it. The king then asked them to bring in silver and gold bread, but again she could not eat them. The king apologised to Marienka, "I am very sorry dear wife, but we have no other bread to offer you." The bride burst into tears, but her husband laughed loud at her as his heart was also made of metal, like his kingdom.

"Weep, if you like," he said to her. "It will do you no good. You got what you wished for. Now you must eat the bread that you have chosen." And hence, the rich Marienka lived in her castle, fainting of hunger every day. God had humbled her by granting her prayer. Three days in the year, the Rogation Days (days of prayer and fasting in Western Christianity), when the ground half opens to receive the fruitful rain sent by the Lord, Marienka is believed to return to earth. Dressed in rags, pale and wrinkled, she begs from door to door and happily accepts the crumbs and crusts of bread that the poor offer her. She understands that in the palace of gold, she lacks bread and compassion.

Moral of the story:

"And your Lord hath said: Pray unto me and I will hear your prayer. Lo! those who scorn My service, they will enter hell, disgraced." (Quran, 40:60)

Those who consider themselves to be the best, want others to also know that they are the best. They forget their existence as servants of God and begin to envision themselves as the doers and achievers. Pride is a way of saying that one is in control of their life and that no one has any influence over them. This pattern of thinking keeps a person away from the mercy and benevolence of God Almighty. Believers live life as per the will of God and remain humbled.

There are numerous verses in the Holy Quran against pride. Of them, a great many are in reference to Satan, who because of his pride, became the accursed one. We must note that he nullified his good acts and extensive efforts in one moment of vanity.

The mother warned her child and said, “Pride is a device of the evil one. You must be careful dear child.” Marienka just shrugged her shoulders and left.

The third night, the mother was sleepless due to anxiety and she lay awake praying. Once again, she saw her daughter smiling in her sleep. “What can my child be dreaming now?” She continued to pray till daylight, hoping her child would not display pride again through the dream. In the morning, the mother asked Marienka, “What did you dream last night?” Marienka smiled and said, “I dreamt that a very noble lord with many attendants alighted from a golden coach and asked for my hand in marriage. He brought me a dress of gold lace and the entire village was looking at only me.” The mother clasped her hands in dismay. Marienka, knowing what to expect from her mother, sprang from the bed and ran out.

The same afternoon, three coaches entered the yard. The first one was made of copper and was drawn by two horses, the second of silver drawn by four horses, and the third one was made of gold and was drawn by eight horses completely decked up in jewels. A very handsome noble man alighted from the coach and entered the house, he asked the mother for her daughter’s hand. “It is indeed an honour,” said the mother. Marienka laughed at her mother and said, “See! You were always wrong, and I was always right.” Saying this, she let the noble man put a ring on her finger. The stone in the ring sparkled like a bright star. He then presented her with a golden laced dress, which Marienka wore immediately and without so much as looking back at her mother, rushed to the coach with the nobleman by her side.

The mother however, was very concerned for her daughter and ran after the coach, asking her son-in-law, “What bread will you offer my daughter?” He looked at her and said, “The bread is of copper, silver and gold, and she can take her choice.” The mother did not understand what he meant, but Marienka had been in a hurry to marry the man and without a goodbye, left with her groom. The poor mother was left all alone in her home, praying for good fortune for her daughter and son-in-law.

The horses galloped and only stopped when they reached a huge rock in which there was a hole that was as large as the gate of a city. The horses plunged into the darkness through the hole in the cave. The earth trembled, and the rocks cracked and crumbled. Marienka seized her husband’s hand in fear. “Do not be afraid, my dear wife; in a few moments you will see light again,” said the nobleman.

All at once, a thousand lights waved in the air. The people of the city had come to salute them with torches in their hands. The nobleman was the king of mines. Marienka was very happy that her husband was very rich, and it made

The Gold Bread

"It will do you no good. You got what you wished for. Now you must eat the bread that you have chosen."

Once upon a time there was a widow who was blessed with a beautiful daughter. The mother was modest and humble, however, the daughter Marienka was very prideful. As she grew up, she received many proposals from suitors, but no one seemed to satisfy her. The more they tried to keep her happy, the more she rejected all of them.

One night, the kind mother could not sleep. She held her prayer beads and prayed for her child. Marienka was asleep by her side and the mother gazed at her lovingly and saw that her daughter was smiling in her sleep. "I am sure her dream must be beautiful to make her smile this way," she thought. The next morning, the mother hugged Marienka and asked, "What did you dream of last night dear child? You were smiling in your sleep."

The girl replied, "I dreamt that a nobleman alighted from a copper coach and put a sparkling ring on my finger and we got married. The entire village was complimenting me." The mother hushed her and said, "My dear child, that is a very prideful dream. We must be humble." Marienka did not care and left the house singing. That same day, a wagon entered the yard and a handsome young farmer asked for Marienka's hand in marriage. He had brought with him the finest of bread. The mother was very happy with the suitor, but Marienka rejected him saying, "Even if you had shown on a copper coach, and put a sparkling ring on my finger, I would still not accept you." The farmer left, shocked by her pride.

That night again, Marienka was smiling in her dream and the mother thought, "I wonder what she is dreaming now." The mother continued to pray until she slept. The next morning again, the mother asked Marienka what she had dreamt. The girl proudly stated that this time she had seen a nobleman come for her hand in a silver coach and offered her a golden ring. They then got married and the whole village was once again only appreciating her.

The mother stopped her, "Hush! You must not fall to such pride dear child. Please pray that you may rise over this temptation." But Marienka rushed out of the room to escape her mother's sermon. The same day, a carriage entered the yard and a young lord came to ask for the girl's hand in marriage, bringing with him the bread of a nobleman. Though the mother liked him, Marienka humiliated this man too and let him leave.

behind getting impatient is something we must all have experienced or seen. The driver driving slowly could be an old man who wants to be careful while driving, or the person on the seat may be new on the roads, or gaining confidence. Our honking horns can scare them, offend them and most likely frustrate them so they think that they are not as good as others are.

We do not become proficient in something overnight. It takes days and years of practice. But when we become good at something, we forget that the entire world did not start with us. Always think of the time when you started driving all alone on the road, and then think of the person slowly driving ahead of you who is in the same place you were three years ago.

When you see yourself in that person, the rising impatience within will subside. Why? Because you saw your shadow, yourself in that person. We are in everyone, and the entire world is within us. The day we realise this, we will find out that when we hurt others, something breaks within us too and makes us vulnerable. Precisely, since we are fruits of the same tree, how is it possible that we do not feel the impact when the tree is uprooted, or its trunk axed?

When we learn to see everything in this perspective, 'You' and 'I' will dissolve, and we'll create a harmony between everything and nothing will bother us. After all, who hates themselves?

A person was relocating to a new town. He was apprehensive whether he would like the new residence or not, the neighbourhood and people around his locality. When he reached there, he saw a spiritual master who had just finished giving a lecture to his students on how they can attain the cognition of God.

When he saw the master, he appeared to be a reasonable man to him. So, he went up to him and asked, I am new to this place. Are people nice and friendly in this town?

The master asked, "How were the people in the town you have come from?"

"They were hideous and greedy. They were morally shallow and used wrong means to earn their bread," the man said in a disappointing tone.

The spiritual master replied, "We have exactly the same kind of people here".

Another man came to the town that day, and asked the same question from the master. The master asked him, "How were the people in the town you have come from??"

He said, "Sir, they were honest and cared about each other. If it hadn't been for certain reasons, I would not have left that town."

The master smilingly said, "We have exactly the same kind of people here".

their parents find it easy to talk about their feelings. Hence, anxiety is prevented at an early stage.

We do not know what one is going through. We may not realise how our one insensitive remark can make someone even more upset, to the point that they begin to question their abilities and existence. Some people are good at ignoring things, but others overthink for hours. Rather than considering their state of mind, our reactionary behaviour can further sink them into the mess.

We live in a society that is marred by a lack of tolerance, and our response to stress is also stressful. Such that when we are in a taxing situation, we make sure that others around us feel the heat too in the shape of our bad mood. We expect people to understand our problems, but do we understand theirs?

Many people use anger as their defense when they confront people or situations that they feel challenged or threatened by. We need to understand that those who react in such a way are suffering internally, and do not know how to handle situations. By putting ourselves in others' shoes and conducting conciliatory behaviour with them, we can put an end to this ever-growing intolerant cycle at least from our end. When I informed our mutual friends about her demise, one of them messaged me saying that had she known that she was experiencing this pain, she would have apologised for her behaviour.

We do get harsh, and unnecessarily rude to people over simple matters. Later when we find out about their problematic situation, anger is overcome by guilt and we say, "I would have behaved differently had I known they were going through a tough patch." We must let go as some people are not transparent with their feelings.

To make matter worse, we assume things that lead to having wrong opinions about others. If a close friend is not replying to phone calls and messages, that does not mean they are ignoring you. They may have forgotten their phone at home or are in a problem whereby they lack the time to even check their phone. We are not living the life of others, nor have we any idea what is happening with them, and neither are they bound to share things with us, so we must refrain from jumping into conclusions.

Everyone is blessed in one way or another. The opportunities that we are blessed with, others may not be. Some people are quicker in adopting things, and some are not. Hence, we must not expect others to work at the same pace as we do. We all have different abilities and we need to coexist by cooperating with each other, not by confronting them for their weaknesses. It would be unfair if we put down others for their slow pace.

A car moving slowly ahead of another car and people in the car

pletely. She was looking away, not proceeding forward to meet me. It was through the expressions of her eyes that I managed to recognise her, and when I did, a smile beamed on her face. I could not thank God enough for following my instincts. It motivated her that she was recognisable to me… but in actuality, she was not.

When you share the details of your physical or psychological pain, or a chronic disease with others, the first reaction is a sympathetic look or a frightened expression, followed by a remark that makes one feel that something really terrible has happened to them, which is beyond repair. The same happened to my friend.

When people learnt about her illness, their sympathetic and fearful reactions would disturb her. She was taking treatment with the hope that she would become healthy, but all she would see in the eyes of the people around her was hopelessness. The torment she was undergoing at the hands of malignant worms, and chemo was not only draining her body, but her spirits too. The face she saw in the mirror was not familiar to her and that broke her incessantly from within. She loved her hair, but it was all gone. She gave me the task to look for wigs. I searched and sent her links to choose from. In my heart, I knew that she would never like wearing it. She did not get a chance to wear it however.

One evening, she happily told me that after her coming treatment, she would have a new life with no problems from the past, and she was right… The next day, my phone rang. It was her mother who informed me that my friend had left this world. She finally escaped this life that was too heavy for her to bear.

Irrespective of the fact that it is customary before the final rites of the dead, we were not shown her face. Her mother told me later that she did not want anyone to see her for her tumor had worsened before her passing, and she did not want people to react in fear.

Now whenever she comes into my thoughts, it upsets me how casually people treated her with their callous remarks. Neither did she need sympathetic looks nor empty words. All she needed was motivation and strength. She never told people off or objected to their wrong behaviour but always did what she could do despite being hurt by them. She was a mighty heart with a bruised soul.

We come across many people in our lives, including our family members, who apparently look fine, but are confronting mental battles or struggles in their lives. They do not find or trust anybody to share their grief with. But why should anyone look for help outside when the help should be close to them, at home. Weak family relationships and communication gap result in weak personalities. Children who are supported by

Communication Gap

Weak family relationships and communication gap result in weak personalities. Children who are supported by their parents find it easy to talk about their feelings. Hence, anxiety is prevented at an early stage.

The first girl I met in college, and the last person who I was in contact with after graduation was my friend ******. Her smile would bring radiance to her face and she stood out among hundreds of other girls. She was beautiful inside and out, and had always nice things to say even if things did not go her way. It was quite funny to see her angry, for she did not know how to behave in such a way.

After college, we took admission in the same university, but chose different subjects that resulted in minimal communication. As months passed by, one day she called me and from the tone of her voice, I felt that she was upset. When she told me the reason, I knew that there was only one way for her to get out of it, but at the same time I realised that she did not have the strength to act on my suggestion. This mental battle put a strain on her nerves. I decided to keep in touch with her more often to listen to her and divert her attention from her problems. It did help to some extent but since she had a communication gap with her family, she would sink into depression on and off. My friend silently bore the pain and simmered inwardly. She could not accept a decision from her family that she struggled to come to terms with. She was in a fix – she could not say 'yes' to them, and had no strength to say 'no'. But her silence was deemed as a 'yes'. Her forbearance sometimes angered me.

Her family did not understand her, therefore, the stress aggravated her and put her into a constant state of depression. Feelings of hopelessness and dejection would numb her senses. She began to have mild spells of headaches followed by fever, constantly thinking about the fact that she was being pushed into something she did not approve of was eating her like a termite eats wood. Nobody tried to read her thoughts and feelings.

Then one morning, she felt something swollen around her neck which the doctor diagnosed as a tumor. It shocked everyone. She underwent a surgery, but it did not help. It popped up again and became a life-threatening illness. Despite all the treatment, the disease reached its final stage.

Her parents were bewildered, running to all places to get their daughter treated, but she was showing no signs of recovery. They made sure she received the best treatment and care.

We met the following week. Chemo had changed her com-

mon practice in prison then that a hot iron rod would be placed on the hand of the prisoner. When it was about to happen to disciple, he earnestly thought of his spiritual master.

He heard a voice, "Do not worry. Everything will be alright."

He felt supported. When the iron was taken out of the blazing fire, it turned cool by the grace of God.

The disciple was innocent, and he was released from prison.

It is said that once a disciple was in his room, where the *veil* was lifted before his eyes and he saw that Sheikh Abd al-Quddus Gangohi (RA) was sitting in his usual place reading a book.

In the morning, he went to him and said, "Last night you went through a lot of trouble. The whole night you remained busy in reading before the light of a lamp."

Hazrat Abd al-Quddus Gangohi (RA) replied, "I was asleep, you witnessed my spirituality."

Dear readers! Sleep in actuality is a veil and God's friends live the same way in every realm after becoming aware of the truth that is behind the veil.

Hazrat Abd al-Quddus Gangohi (RA) remained busy in the remembrance of God. They remain busy in serving the creations of God outwardly, and inside, they are busy in the remembrance of God. The gist from few of his writings are as follows:

"You hide yourself and then also become apparent with an elegance. In springs, you appear as a flower in the garden, but also wail by disguising as a nightingale during the autumns. There are many mirrors but your image is visible in all of them. This *faqir* Quddus says that despite the truth being before us, we have imprisoned ourselves in changeable circumstances."

"Even though you have descended as a rain on sea and land, I am still unquenched and deprived of your sight. I drink my own blood in your absence since the time you have separated from me."

Hazrat Abd al-Quddus Gangohi (RA) remained quiet three years before his passing. He stayed in deep immersion. In one of his poems, he says, "The darkness of night engulfing the sky is a hair of my beloved in whose love I am captivated. What is the beauty of a *hoor* (female companion in paradise) without you! I am consumed in seeing you, both within and without."

Hazrat Abd al-Quddus Gangohi (RA) passed away on the 23 Jumaada al-Akhir, 944 Hijri. He was 82 years of age; he spent 35 years in Rudauli, 35 in Shahabad and 12 years in Gangoh, and served people wherever he went. His shrine is in Gangoh, district Saharanpur, at Mahalla Sarai.

V

and towns were destroyed. It was chaos everywhere. Hazrat Abd al-Quddus Gangohi (RA) moved to Gangoh from Shahabad.

Malik Mubarak Khizar Abadi sent some wooden beams for the construction of a room for Hazrat Abd al-Quddus Gangohi (RA). He was the ruler of the town and a follower of Hazrat Abd al-Quddus Gangohi (RA). He gave orders to begin the construction, but the beams turned out to be short. The builders tried to work with them but gave up, stating that the room could not be built unless new beams arrived.

When Hazrat Abd al-Quddus Gangohi (RA) found out about this matter, he said, "I am a Dervish. One of my disciples has sent these beams – how can we just bring new beams? When wood can grow in the jungle due to the Will of God, then it can also grow here too."

He went to the construction site, measured the beam with his staff and asked the builders to place the beam on the wall. When they did so, it stretched to such a length that it became visible even outside of the wall.

Explanation: Everything is established on fixed proportions. Trees or wood also breath and need to sustain their life. The wood, wherever it is, goes through the process of increase and decrease. It can be understood through the experiences in summers and winters. The wood shrinks during winter, and expands in summer due to the humidity in the air. Since Hazrat Abd al-Quddus Gangohi (RA) was aware of the knowledge of proportions, he transformed the quantities of the wood and lengthened it with the blessing of God.

A disciple was affected with melancholia. His relatives used to tie him to his bed. One day, he saw a *Kashf* that Sheikh Abd al-Quddus Gangohi (RA) had untied his ropes. In this *Kashf*, two people came and tried to tie him up but Sheikh Abd al-Quddus Gangohi (RA) stopped them. They said, "We will make marks on the patient's forehead." The Sheikh replied, "Fire does not come close to my disciples."

When both of the men insisted that it was necessary for him, the Sheikh (RA) said, "Okay, you may only make a mark next to his big toe." They complied. Sheikh (RA) gave him a *taweez* (an amulet with a holy inscription) and alerted him about certain events in the future that were going to take place. He tied the *taweez* to his head and the *Kashf* ended. The *taweez* however, was still tied to his head. The ropes were untied and he was cured of his disease."

Dear readers, ponder on what the difference between *Kashf* and wakefulness is.

A woman made a false accusation against one of his disciples, and he was wrongfully found guilty by the judge. It was a com-

visit some revered person or a dervish? Who knows, my luck may revive due to their blessings?"

After travelling around, he eventually reached Rudauli. There he asked people, "Brothers, is there any friend of God who can help me out of the whirlpool of restlessness I am stuck in?" All of them advised him to go the *khanqah* of Hazrat Abd al-Quddus Gangohi (RA).

Umar khan went to meet him, and his heart affirmed to him that he was the man who would be able to help him attain peace.

He kneeled and cried before him for help. He said, "I have no home or place to go, please take me in your protection." Hazrat Abd al-Quddus Gangohi (RA) said, "Stand up, O' naïve one! Why are you being impatient? Why would there not be any space for you in God's land when it has space for me. Everyone is equal in the sight of God. Be free of worries, your bowl will never remain empty. And worship God, seek His help; who am I to set you free from the troubles, when even a leaf does not move without the Will of God."

The unfortunate days of Umar Khan passed. King Sikandar Lodhi sent gifts for Umar Khan and an invitation to return to the royal court where he was given due respect. Umar Khan was filled with joy. He visited Hazrat Abd al -Quddus Gangohi (RA) with teary eyes once again and said, "Hazrat, I have gained this respect and position because of you. I do not want to be separated from you. Please come with me to Shahabad so that the people over there may attain your blessings."

Hazrat Abd al-Quddus Gangohi (RA) accepted his request and brightened Shahabad with the knowledge of divine light. People would come from near and far to attain blessings.

Hazrat Abd al-Quddus Gangohi (RA) lived in Shahabad until 934 Hijri. In 934 Hijri, a disciple, Malik Usman Karani from Gangoh said, "People will be educated in Gangoh if one of your sons settles his abode there."

Hazrat Abd al-Quddus Gangohi (RA) sent his son Sheikh Rukn al-Din (RA). Later, his other sons also went there but they did not like it. One day, Shah Abd al-Quddus (RA) asked his sons, "Why have you come back from Gangoh? That town will become your home."

A long time had passed with his stay in Shahabad. His wife had a *kashf* (unveiling) that a fire had erupted in Khorasan, which was gradually proceeding forward and burning everything in its way. She told Hazrat Abd al-Quddus Gangohi (RA), who advised the people, "A disaster is about to strike. Make arrangements for safety as soon as possible."

Later, King Babur from the Timurid dynasty attacked the Indian continent and destroyed whatever came in his way. Cities

Sheikh Abd al-Quddus Gangohi (RA) said, "I would often be alone in abandoned places, jungles, deserts, tombs and in my room. However, at prayer times, specially at the midnight prayer, Sheikh Ahmad Abd al-Haq (RA) would regularly show, wake me up, and then the sound of 'Haq - Haq' would reverberate in my ears, and I would become attentive towards the inner voice."

Hazrat Abd al-Quddus Gangohi (RA) had an interest in reading and writing poetry. The gist of one of his poems is as follows:

The destination of love is one

Inside, it has ways of a lover

And stricken with love in public

I never utter a word in the lane where my beloved lives

Rather my sleeves, robe and turban cry out themselves

Every particle is consumed and enthralled by the sound of my song

And water, sand and fire urge me to go on and they say, repeat, repeat.

A disciple of Hazrat Abd al-Quddus Gangohi (RA), Abd al-Sattar Saharanpuri said, "Once on a Thursday, quite a few people visited the shrine of Sheikh Ahmad Abd al-Haq (RA). The grave opened and Sheikh came out of it. By resting his attention on Hazrat Abd al-Quddus Gangohi (RA), he read out the following couplet:

Translation: "Consider myself as alive as you are, you come with the body, and I with the soul."

Seeing this, Hazrat Abd al-Quddus Gangohi (RA) began trembling and kissed the feet of his Sheikh. Sheikh Ahmad Abd al-Haq (RA) kindly held his hands and said, "I have fulfilled my duty, and brought you to your desired one."

In the matters and work related to the *Khanqah* (spiritual school) Hazrat Abd al-Quddus Gangohi (RA) would personally take part. He would cut wood from the jungle. Once during a spiritual exercise, he reduced his food intake so much so that the heat in his body intensified, and due to internal inflammation steam would come out of his body. It is said that during winters, when cold water was poured over his head, it would turn warm.

Later on, Hazrat Abd al-Quddus Gangohi (RA) pledged allegiance to Sheikh Muhammad bin Sheikh Arif Bin Sheikh Ahmad Abd al-Haq (RA) and was blessed with successorship. He also gained successorship from the heads of other Sufi orders too.

During the rule of Sikandar Lodhi, Ameer Umar Khan left as he was demoralised by the king. He became so stuck in problems and would fail at everything wherever he went. He then thought to try his luck elsewhere. He thought of the courts of any other king or prince… But who would help him? He thought, "I have been going to kings and princes till now but have been blessed by none. Perhaps I should

fragrances? The Sufi replied, "Your knowledge is satanic and my knowledge is holy. You live in the 'body', and I live in the 'soul'."

The Jogi said, "Please make me like yourself." The Sufi replied, "The powers that you have acquired are limited to this world. You have already experienced its foul smell and rotten nature. Come to the Truth as its fragrance liberates one from the dependency on many, and associates them with the 'One'."

The Jogi came out of the basement, and pledged allegiance to the Sufi along with his students, who were roughly 700 in total. After accepting him as his disciple, the Sufi trained him, blessed him with successorship, and then assigned him the duty to teach his students. Later on, the Sufi moved to the abode of the Jogi, which is still known as Sarai Sheikh Abd al -Quddus (RA).

Hazrat Abd al-Quddus Gangohi (RA) was born in 860 Hijri, in Rudauli. This was the period of Bahlul Khan Lodhi, when he was the Sultan of Delhi. The noble parents of Hazrat Abd al-Quddus Gangohi (RA) provided him with a good academic education, and brought him up with high morals. In that era, special attention was given to Arabic and Persian languages. Therefore, along with studying the Holy Quran, he studied basic books of the aforementioned languages. He was very keen in acquiring knowledge, therefore, teachers were extra kind to him. With the passage of time, he learnt how to write poetry and letters. He wrote a book with the name of '*Behr al-Anshab*'.

During the days when the book '*Kafiya*' was at his perusal, the desire to cognise God awakened within him. As the desire to seek God emerged, he inclined towards the knowledge of the unseen. His father had passed away, and when his mother saw him taking less interest in worldly education, she worried. However, seeing his routine, his uncle, Qazi Daniyal, calmed her by saying, "He is now in safe hands and his future is bright and blessed."

Feelings of deep immersion continued to increase within him. Sometimes, he would leave Rudauli. On one of these occasions, a stranger met him on the way and asked, "Where are you heading to?" He replied, "I have left home to search for God." The stranger advised, "If you are seeking God, then you should visit the shrine of Sheikh Ahmad Abd al-Haq (RA), for he will take you to your desired destination."

It should be noted that Sheikh Abd al-Haq (RA) had already passed away. However, Sheikh Abd al-Haq (RA) educated Hazrat Abd al-Quddus Gangohi (RA) through *Nisbat*-e-*Uwaisia* (spiritual transmission without the need of physical interaction) and transferred the knowledge of the unseen.

Come to the Truth

"... Come to the Truth as its fragrance liberates one from the dependency on many, and associates them with the 'One'."

In the 9th or 10th century, a Sufi and a Jogi lived in Gangoh at some distance from each other. The knowledge of the Jogi was based on *istidraj* (witchcraft), and the Sufi brimmed with *Noor* (a stage of divine light).

One day, the Sufi was walking by the abode of the Jogi. He liked his house and the area surrounding it. Outside of his house, a few of his students were sitting.

The Sufi asked them, "Where is your guru?"

They replied, "Right underneath us. He has been engrossed in *Habs-e-Dam* (an exercise where one holds their breath for longevity) for about a year, and all doors to the basement have been sealed. There is no way to get there, however, a hole has been left open for air to enter into his chamber."

The Sufi peaked through the hole and saw that the Jogi was sitting, and his eyes were closed. The Sufi undermined his physical body and entered the earth. The Jogi opened his eyes and was surprised to see the Sufi sitting before him. He asked, "Who are you and how did you get inside?"

The Sufi replied, "I am a servant of God and have come here by His grace."

The Jogi realised that only a knowledgeable person would be able to break his spell and enter through the sealed doors. The Sufi said, "Tell me of your knowledge."

The Jogi replied, "I can turn into water immediately, whenever I will it." As he said it, he turned into water. The Sufi soaked a small piece of cloth in the water. A little later, the Jogi returned to his physical state.

The Sufi said, "Now I will turn into water, and as I do, you must soak a piece of cloth into it. I have done the same for you. From this, you will realise the Powers of God."

The Sufi turned into water, and the Jogi soaked a cloth in it and kept it with him. When the Sufi returned to his physical form, he gave the Jogi the wet cloth to smell. The cloth smelled awful, so much so that the Jogi felt that his mind would blow up. The Sufi then asked the Jogi to smell the cloth that was soaked in his own water.

The Jogi was filled with fragrance as he smelled it, and was deeply impressed by the Sufi. As he continued to smell the fragrance, the impact of the knowledge obtained from *Istidraj* disappeared.

The Jogi said, "You are expert in your field, but I am also good at what I do… So why then, is there a difference between the

Likewise, a rock is called a mountain until it dismembers from it. When a mountain breaks, we name its pieces as rocks, but the reality of a rock is nothing other than a mountain, and the base of a mountain is a particle. If a rock is seen in the light of its origin, it will be considered a mountain, otherwise, it will be called a rock.

> "And thou seest the hills thou deemest solid flying with the flight of clouds: the doing of God Who perfecteth all things. Lo! He is Informed of what ye do." (Quran, 27:88)

One does not think of a mountain upon seeing a rock – and the thought of a rock does not occur upon seeing a mountain. This sentence reflects two patterns of thinking.

When a flower remains concealed within the stem, it is seen as a plant. Then space arises between them and separates a stem from a flower. The plant and flower are now assumed as different entities. However, the existence of a flower is associated with the stem. In short, flowers, stems, leaves and petals are the manifestation of a plant in segments.

A mixture of all colours turns out to be muddy looking. However, one does not think of colours when they see soil, and while concentrating on colours, the presence of soil becomes secondary.

Similarly, day and night are two ways to understand time and space. Day appears when one concentrates on the space, and when attention is turned towards time, it becomes night. This variation occurs due to diversion in our focus as whatever we are focused upon is bound to manifest.

Law: Individuality goes into the backdrop when we are in harmony with reality, whereas estrangement from reality gives rise to individuality.

Everything that exists in this universe is within us and is connected to each other. The particles that form a mountain are present in the kingdom of Adam, plants, animals and other creatures. This is why, a member of one specie knows the members of other species, but it is the sense of individuality, which makes us feel different. If the sense of individuality is dissolved, the drop will meet the ocean.

Honourable readers, this editorial explains the permanent and impermanent aspects of life. Every individual possesses the attributes of *Insan* (Human), who has two paths before them to travel on, i.e. Illusion and reality. In other words, life traverses on the belt of *Ghaib* (Unseen) and *Zahir* (Apparent) and eventually returns to *Ghaib* – the realm from where it came.

Please read this with attention. You may write to us if you have questions.

May God Protect you.

The Dervish asked in a dense voice, “Why can we not see them together?”

“Sir, in order to see something, it is important for the eyes to be affixed on it. When our sight remains focused on one point, everything that exists becomes visible in that one object or being. When we consider things different from each other, we cannot see them together.”

“What did you understand out of this conversation?” the Dervish asked. The student replied respectfully, “We see one thing at a time.”

The Dervish pointed towards a book, “Do you see yourself when you look at this book?” The student thought for a moment and said, “No”.

The Dervish stressed his words and said, “When is something visible to us then?”

“When we don’t see ourselves.” The young man drifted into deep contemplation.

The Dervish smiled and asked, “What is the law of sight then?”

He replied, “We see something only when we don’t see ourselves.”

In a measured but somber voice, the Dervish said, “The law of seeing things in this world is that, we see something only when we do not see ourselves. But when it comes to seeing God, we see ourselves, that is why, we do not see Him.”

• • ——————— • •

To see something in the light of something else obscures the reality. We see day and night in perspective of each other; we relate the earth with the sky and the sky with the earth to recognise the two and we discern the sun by comparing it with the moon. The imprints of a woman appear onto the screens of our minds when we see a man and vice versa. Similarly, we recognise light through darkness and darkness through light. What does this all say? Neither are we aware of night and day, nor earth, sky, sun, moon, man, woman, darkness or light. We have no idea of what a thought is, nor from where it emerges.

We believe that we know. We see things through the understanding that is passed onto us by our environment. But what those things truly are, we do not know. Does this qualify as seeing?

• • ——————— • •

Worthy friends! Read the synopsis of the ‘Message of the Day’.

Law: The formation of distance gives birth to individuality. Without a distance, things cannot be seen.

A drop in an ocean is not considered a drop. Its individuality is concealed until it comes out of it. When a drop is separated from the ocean, it still carries the attributes of the ocean. However, we consider them distinct due to the space between the two.

This understanding of '*raat*' therefore is far from reality, because when the same word was uttered in languages unfamiliar to them, the image of '*raat*' did not appear in their minds, and hence they could not identify what it was.

This demonstrates that we are only aware of the names but do not know the objects. We see objects in the light of the labels we have given them; and hence, we do not know what day and night are in reality. We only recognise them through the names we have assigned to them. While names of things vary in all languages, the object remains constant.

> The Creator of the universe, God the Almighty says, "Thou causest the night to pass into the day, and Thou causest the day to pass into the night. And Thou bringest forth the living from the dead, and Thou bringest forth the dead from the living. And Thou givest sustenance to whom Thou choosest, without stint." (Quran, 3:27)

Our understanding of something is valid only when we know the entity that we have named. A person who is unaware of the reality, sees everything as per the time and space in their mind. For example, when a single entity is tagged with different names and each name is considered a different entity, one divides the same object into different times and spaces. In reality, the time and space of the object remains unchanged. Change in time and space of an object would change its nature, therefore, what we deem as change, is only a perception of our mind. The time and space where the record of that object exists is uninfluenced by variations. In other words, we live in time and space, and yet we remain unaware of what it is. We only see things under the influence of our surroundings.

• • ——————————— • •

While explaining the law of sight, a Dervish asked his student, "When do we see an object?"

"When it is before us," said the student.

"This is not the right answer," the Dervish replied. "There are many things before you that I see but you are oblivious of. Think again and reply, when do we see an object?"

"When we are attentive towards it," said the student.

"And when do we pay attention to it?"

"When our eyes settle on it, and the image forms in the mind."

"Alright. When did you see the image then?"

The young student remained silent and thought aloud, "What is the purpose of reposing this question when I have already answered that the image appears only when one is attentive towards it? Am I ignoring the integral point?"

The Dervish then asked another question, "Can we see two things at the same time?" The student shook his head in the negative.

Message of the Day

Time and space in the world outside is different from the world that exists within us. It is 'space' that creates this difference; thereby creating an impression that the inner and outer worlds are two separate entities. Generally, it is believed that we see outside, but this is untrue, as the world outside is a carbon copy of the world within. When one muses over an object or a being, its reflection surfaces on the screen of the mind. The image is in the mind of a person, but because it has taken a shape, people assume it to be different from them. This difference is then considered as seeing outside.

Creatures are bound to exist in time and space. They all have different levels of understanding which are directly proportional to the speed of their thinking. Thus, the time one consumes to unearth the depth of things, becomes the 'time and space' of that particular person. When a person's understanding matches the frequency of the object that is being seen, consequently, the subject, object and the observation become aligned. Realisation is attained only when a subject is in sync with an object in terms of its proportion; else, the observation will not be deemed credible. In such cases, a person does not see the object, but focuses on what their mind shows them.

• • ——————————— • •

To see under the influence of one's surroundings is not equivalent to seeing an object.

1. The first pattern of seeing is subjective to the environment.
2. The second pattern of seeing is free from the grips of the environment.

* A person unaware of the Pashto language does not understand what 'shpa' means.
* The meaning of 'layl' will not reflect onto the mind of one who does not know Arabic.
* People unfamiliar with the English language cannot tell you the meaning of 'night'.
* However, if we say 'raat,' to an Urdu speaking person, the image of darkness will display in their mind.

What does this inform us? Upon hearing the word '*raat*', an image of darkness was formed in the mind of a person who is well versed in the Urdu language. This image however, is a result of one's understanding of the object based on what they have adopted from their environment.

Contents

Message of the Day	K. S. Azeemi	172
Come to the Truth	Quratul Ain Wasti	168
Communication Gap	Sarah Khan	162
The Gold Bread	Roshan Sitara	158
Prophet Jesus (PBUH)	Extracted	154
Water is Life — Life is Water	Zainab Qureshi	150
What Do We See?	Dr. Naeem Zafar (Ph.D.)	145

"Deep in the sea there are riches beyond your imagination, but if you seek safety, that is at the shore."

— Sheikh Saadi

Vol 7 Issue 11 | December 2019 | Rabi-ul-Thaany — Jumaada-al-awal 1441AH

بسم الله الرحمن الرحيم

Monthly Karachi

Qalandar Shaoor

Neutral Thinking

(Urdu — English)

Patron in chief

Huzoor Qalandar Baba Auliya RA

Chief Editor

Khwaja Shams al-Din Azeemi

Editor

Hakeem Salam Arif

Circulation Manager

Muhammad Ayaz

Furnished by Azeemi University Press. Shah Alam Azeemi, the Publisher has published it at Ibn-e-Hasan Offset Printing Press, Hockey Stadium, Karachi and disseminated at Surjani Town Karachi.

Rs.80/- Per issue. Annual subscription Rs.1080/- with Reg. Post (Domestic), US$ 70/- (International)

Contact: B-54, Azeemi Mohalla, Sector 4-C, Surjani Town Karachi, Pakistan. Ph: +92 (0)213 6912020